www.urducouncil.nic.in

جون 2016، قیمت:- /10₹

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

ماحولیات کا عالمی دن

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ **اردو دنیا** دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصلویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com , sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد:4 شمارہ:6 جون 2016

مدیر : پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر :ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل ۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی -110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:49539009-11
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ/100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی -110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجدیار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد -500002
فون:040-24415194

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ	ادارہ	05
عالمی یوم ماحولیات	ماحولیات کا تحفظ	زبیر خاں سعیدی	06
نظم	افطار	مہدی پرتاپ گڑھی	09
مضامین	رمضان اور اس کے مقاصد	محمد شہاب الدین قاسمی	10
	لیڈی برڈ بیٹل	شمس الاسلام فاروقی	13
	حساب کتاب	ندیم غوری	15
نظمیں	ننھا فرشتہ	عطیہ پروین	18
	پانی ہے انمول	شجاع الدین شاہد	19
کھیل اور کھلاڑی	ٹونٹی ٹونٹی عالمی کپ 2016	سید پرویز قیصر	20
سائنس کی الف لیلہ	نوبل	سکٹف اور سکٹف	23
کہانیاں	دانیال کا گھوڑا اور ننھی رکشا	ذکیہ مشہدی	28
	سمجھ	اسد رضا	30
	یوگ کرشمہ	رونق جمال	34
	طوطا سبز کیسے ہوا؟	اقبال برکی	37
	انسان اور شیر	سنبل افشاں	41
	چھوٹی مکڑی	خوشنودہ نیلوفر	43
نظم	آ گیا بچو! موسمِ گرما	حسن رضا	46
قسط وار ناول	قصہ حاتم طائی	حیدر بخش حیدری	47
کہکشاں	چمن چمن کے پھول		53
	یوم پدر (فادرس ڈے)	ریحانہ خاتون	54
	دھوپ کی تپش سے بچیے	شیخ عبدالموحد عبدالرؤف	55
	اقوالِ زرّیں	سیدہ طوبیٰ تمکنت	55
	لکھنؤ کے کچھ مشہور اور اہم سیاحتی مقامات		57
	جھوٹ	سعد اللہ احسان	58
ننھے فنکار	بچوں کی پینٹنگ		59
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		61

آپس کی باتیں

پیارے دوستو!

'بچوں کی دنیا' کا نیا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جون 2013 سے اِس رسالے کی شروعات ہوئی تھی اور اب اس رسالے کی عمر تین سال ہوگئی ہے۔ ان تین برسوں میں آپ سب نے جس قدر پیار اور خلوص دیا ہے، ہم اس کے لیے آپ کے شکر گزار ہیں۔ یہ رسالہ پورے ملک کے بچوں اور بزرگوں کا بھی چہیتا رسالہ بن گیا ہے۔ آپ سب کو 'بچوں کی دنیا' کی تیسری سالگرہ کی دلی مبارکباد!

پورے ملک میں شدید گرمی پڑ رہی ہے۔ گرمیاں ویسے تو آپ کے لیے چھٹیاں لے کر آتی ہیں جس میں آپ آزادی سے کھیلتے ہیں، گھومتے پھرتے ہیں اور تفریح کرتے ہیں لیکن گرمی ساتھ میں ڈھیر ساری مشکلات اور بیماریاں بھی لے کر آتی ہے۔ اس لیے آپ سب اپنا خیال رکھیں اور تیز دھوپ میں گھروں سے باہر نہ نکلیں۔ پانی زیادہ سے زیادہ پئیں۔ پانی ہمارے لیے سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ پانی کی اہمیت کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ گذشتہ دو تین برسوں میں ٹھیک سے بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے 256 اضلاع میں 35 کروڑ لوگ قحط سے متاثر ہوئے ہیں اور ریاست مہاراشٹر سب سے زیادہ متاثر ہوئی ہے۔ یہاں کی زمین میں پانی کی سطح اس قدر نیچے جاچکی ہے کہ ہینڈ پمپ اور دیگر مشینیں بھی کام نہیں کر رہی ہیں۔ لوگ کارپوریشن کے پانی کے لیے رات کے اندھیرے اور دن کی چلچلاتی دھوپ میں گھنٹوں قطار میں لگے رہتے ہیں۔ کئی شہروں کو پانی فراہم کرنے والے دریا سوکھ چکے ہیں۔ ایسے میں وہاں کے لوگوں کی مشکلات کتنی زیادہ بڑھ گئی ہیں ہم اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ آج یہاں کے لوگوں سے بہتر پانی کی اہمیت وافادیت کون بتا سکتا ہے۔

ہم نے ملک کے ان حالات کا تذکرہ صرف اس لیے کیا ہے کہ ہم سب کو قدرت کی عطا کردہ نعمتوں کا فائدہ صحیح ڈھنگ سے اٹھانا چاہیے۔ پانی ایک ایسی ضرورت ہے جس کے بغیر ہم نہیں رہ سکتے۔ ہم سب آئے دن دیکھتے ہیں کہ نل کھلے ہوئے ہیں اپنے غسل خانوں میں، باورچی خانوں میں، واش بیسن میں کس قدر فیاضی سے پانی خرچ کرتے ہیں۔ کبھی کبھی نل کھلا چھوڑ دیتے ہیں اور پانی بہہ بہہ کر برباد ہوتا رہتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اتنی قیمتی چیز کی حفاظت کریں اور کہیں بھی پانی برباد ہوتا ہوا نظر آئے تو اسے روکیں اور پانی بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

دوستو! جون کی 5 تاریخ کو ماحولیات کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اِس دن کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ ماحولیات کے تحفظ میں ہی ہماری زندگی کی سلامتی ہے۔ اگر ہم ماحولیات کے تئیں بیدار نہیں ہوں گے تو دنیا کے حالات بہت خطرناک ہوسکتے ہیں۔ اس تعلق سے ایک مضمون اس لیے بھی شامل کیا جارہا ہے کہ صرف ایک دن نہیں بلکہ ہر دن ہم اپنے ماحولیات کے تحفظ کے لیے کوشاں رہیں۔

دوستو! جون میں ہی مسلمانوں کے لیے سب سے بابرکت ماہ رمضان المبارک کا آغاز ہو رہا ہے۔ آپ میں سے بہت سارے پہلے بھی روزہ رکھتے ہوں گے اور بہت سارے بچوں کا اِس سال پہلا روزہ ہوگا۔ آپ 'بچوں کی دنیا' میں پہلے روزے کا تجربہ لکھ کر بھیجیں ہمیں رسالے میں شامل کرتے ہوئے خوشی ہوگی۔ 'بچوں کی دنیا' کے اِس شمارے سے ہم قسط وار ناول بھی شروع کر رہے ہیں جس میں آپ کو اردو زبان کی تہذیبی وثقافتی روایات سے روبرو ہونے کا موقع ملے گا۔ آپ سب اسے پڑھیں اور اپنی رائے دینا نہ بھولیں۔

آپ کا

ارتضیٰ

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

❑ آپ کی پر خلوص محنت کا حسین تحفہ سامنے ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا رسالے کی روشنی کو قائم رکھے۔ اس ماہ 'بچوں کی دنیا' نے دل موہ لیا بالخصوص بابا صاحب امبیڈکر، ڈراما اور کہانیوں نے بہترین تاثرات پیش کیے اس بار شعروں کا سلسلہ بھی اچھا رہا۔ آخر میں اپنے پیارے اور خوب صورت جریدے 'بچوں کی دنیا' کے لیے دعا گو ہوں خدا اس کی خوب صورتی میں چار چاند لگائے۔

سرفراز خان، بورگاؤں منجو آکولہ

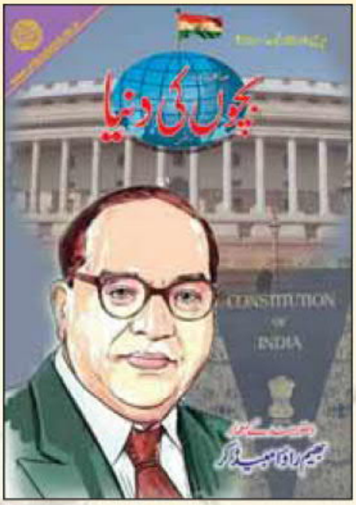

❑ ماہ اپریل کے شمارے میں ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر پر دلچسپ اور معلوماتی مضامین نے اسے خاص نمبر بنا دیا ہے۔

عطاء الرحمٰن طارق، ویشالی نگر، کے کے روڈ، مہالکشمی، ممبئی

❑ میں 84 برس کا فالج زدہ، کم بینائی والا، ریٹائرڈ ہائی اسکول کا ٹیچر ہوں۔ 1960 سے 1992 تک بچوں اور بڑوں کے لیے میری تخلیقات اردو اور ہندی کے رسالوں، اخباروں، نصابی کتابوں میں دہلی، پنجاب، یوپی، بہار سے مسلسل شائع ہوتی تھیں۔ ایک صاحب نے 'بچوں کی دنیا' کی سیر کرائی جو صوری اور معنوی اعتبار سے قابل تعریف ہے۔ اس کے لیے میں آپ کو اور آپ کے ادارے کو تہہ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ رسالے کے آخری دو صفحات پر 'ماضی کے جھروکے سے' کے عنوان سے قدیم شعرا کی نظمیں ضرور شائع کریں جو آج کی نئی نسل کے لیے بہترین مشعلِ راہ ثابت ہوں۔

ذکی احمد، کاشانہ حافظ، چندن پٹی، دربھنگہ، بہار

❑ زبان اردو کے فروغ کے لیے اور اردو کی خدمت کے لیے یوں تو بہت سے رسالے جاری ہیں۔ لیکن 'بچوں کی دنیا' کو اس مہم میں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ تحریر و تصویر کی بنا پر بچوں کے ساتھ ساتھ بڑوں کی دنیا میں بھی مقبول ہوتا جا رہا ہے، میں اپنے فرینڈس اردو ہائی/ پرائمری اسکول حبیب نگر، امراؤتی میں تقریباً دو سو رسالے اساتذہ اور بچوں میں تقسیم کرتا ہوں جو کہ بڑی بے چینی سے 'بچوں کی دنیا' کے منتظر رہتے ہیں۔ میں اساتذہ کرام کے نام لکھنا چاہتا ہوں جو سالانہ خریدار ہیں۔ نسرین بانو (ایچ ایم)، مہناز فردوس، پروین حاجی، عرفانہ بیگم، شمشاد بانو، مہ لقا یاسمین، فرح رخسار، فہمیدہ بانو، سمینہ انجم، نوشین سمر، مرزا آصف بیگ، اظہر اقبال، ارشاد خاں، احفاظ پٹیل، شہزاد ندیم، سید زاہد، آپ سے التماس ہے کہ تاریخی کہانی سے منسلک تصویروں کو کارٹون سے منعکس نہ کریں بلکہ مصور کے ہاتھوں منظر کشی کریں تو کیا ہی اچھا ہو۔

ایم اے شوکت، تاج نگر، نمبر 1، امراؤتی، مہاراشٹر

■ زبیر خاں سعیدی

ماحولیات کا تحفظ

ماحولیات کی آلودگی کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوئے ہیں وہ دراصل 20ویں صدی کے مسئلے ہیں اور انسانوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس آلودگی سے عالمی حدت(Global warming) کا ایک سنگین مسئلہ پیدا ہوگیا ہے۔ اس عالمی حدت سے انسان اور دیگر جانداروں کی زندگیوں کو خطرہ لاحق ہے اور اس بات کا خدشہ پیدا ہوگیا ہے کہ مکمل طور پر ان کی زندگی ہی نہ ختم ہوجائے۔ جبکہ ماحولیات (Environment) ہی وہ سب کچھ ہے جس میں انسان یا دیگر جاندار رہتے ہیں۔

زمین، جنگل، پہاڑ، دریا، صحرا، مختلف النوع جاندار جیسے انسان، پرندے، حشرات الارض اور بڑے بڑے جانور اور چھوٹے جاندار یہ سب ماحولیات کے لازمی اجزا ہیں اور یہ سب اپنی فطری زندگی میں ایک دوسرے کے لیے ضروری ہیں، لیکن اب انسان نے فطرت(Nature) میں مداخلت کرکے سارا نظام ہی درہم برہم کردیا ہے۔ ماحولیاتی آلودگی کی کئی قسمیں ہیں جیسے زمین کی آلودگی، پانی کی آلودگی، ہوا کی آلودگی اور فضا کی آلودگی وغیرہ اور آلودگی کسی بھی قسم کی ہو اس سے سب سے زیادہ نقصان ہماری صحت کو ہی ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر فضا کی آلودگی سے طبیعتوں میں چڑ چڑا پن، سر درد، تھکاوٹ، ڈپریشن اور بہرہ پن بھی ہوسکتا ہے۔

اسی طرح پانی کی آلودگی سے بہت سی بیماریاں پھیلتی ہیں، جیسے بدہضمی، قبض، ڈائریا، بخار اور متعدد انفیکشن وغیرہ۔

دنیا میں ماحولیاتی آلودگی میں تیزی سے اضافے کا ایک بڑا سبب جنگلات کی مسلسل کٹائی بھی ہے۔

UNO کی ایک رپورٹ کے مطابق پوری دنیا میں ہر سال تقریباً تیرہ ملین ہیکٹر رقبے پر پھیلی قدرتی ہریالی اور جنگلات کا صفایا کردیا جاتا ہے، جبکہ ماحولیاتی آلودگی پر قابو پانے کے لیے جنگلات کو بچانا بہت ضروری ہے۔

اسلام میں ماحولیات کو بچانے اور اس کے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے کہا گیا ہے۔ نبی آخرالزماں حضرت محمدؐ نے ماحولیات کو بچانے کی ہدایات دی تھیں۔ اگر ان ہدایات پر عمل کیا گیا ہوتا تو آج ہم ماحولیاتی مسائل سے دوچار نہیں ہوتے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جو مسلمان پودا لگائے گا یا کھیتی کرے گا اور اس سے کوئی پرندہ، انسان یا چوپایہ رزق پائے گا وہ اس کے لیے صدقہ بن جائے گا۔'' (بخاری شریف)

اور ایک دوسری جگہ آپؐ نے شجرکاری کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ''جو شخص پودا لگائے گا، اس کے لیے اس پودے سے نکلنے والے پھل کے بقدر ثواب لکھا جائے گا۔'' (مسند احمد، حدیث نمبر 23520)

ان تمام دلائل سے یہ سمجھ میں آیا کہ انسان کو فطرت کا امین ہونا چاہیے۔ اسے دیگر مخلوقات کے ساتھ ایک تعلق بنا کے رکھنا چاہیے۔ انسان کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ قدرتی ماحول کی بقا کے لیے کوشش کرتا رہے اور اگر انسان فطری ماحول کی حفاظت نہیں کرتا تو وہ امانت میں خیانت کا مرتکب ہوگا۔

تاریخ کا گہرائی سے مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ پچھلی قومیں نفسانی خواہشات کی وجہ سے بھی تباہی اور بربادی کے دہانے پر پہنچیں، قدرتی ماحول میں بگاڑ کی اہم

ماحولیات پر کچھ اہم اقتباسات

(1) زمین ہر انسان کی ضرورت کو پورا کرتی ہے لیکن انسان کی لالچ ختم نہیں ہوتی۔ (مہاتما گاندھی)
(2) ماحول وہ سب کچھ ہے جو ہم نہیں ہیں۔ (البرٹ آئنسٹائن)
(3) ہم اگر ماحول کو تباہ کرتے رہیں گے تو سماج سے محروم ہوجائیں گے۔ (مارگریٹ میڈ)
(4) اگر ہم قدرتی ماحول کو بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں سبھی انسانوں میں بیداری لانی ہوگی۔ (رچرڈ روجرس)
(5) تحفظ انسان اور زمین کے مابین ہم آہنگی کی کیفیت کا نام ہے۔ (آلڈو لیو پولڈ)
(6) لوگ ماحول کو الزام دیتے ہیں۔ صرف ایک آدمی ہے جسے اس کے لیے موردِ الزام ٹھہرایا جاسکتا ہے، صرف ایک۔ ہم سب! (رابرٹ کالیئر)
(7) فطرت، جانوروں، چڑیوں اور ماحول میں خدا کی قدرت کا عکس موجود ہے۔ (پاٹ بکلی)
(8) پانی کو اگر ہم گندہ کرتے رہیں گے تو ایک دن صاف پانی پینے سے محروم ہوجائیں گے۔ (ایشی لوس)

وجہ انسان کی لالچی طبیعت ہے۔ انسان آسانی سے حاصل ہونے والے بیشتر قدرتی وسائل مثلاً ہوا، پانی، زمین اور جنگلات وغیرہ کے استعمال میں زیادتی کرتا ہے جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

اس وقت کی سب سے اہم ضرورت شجرکاری میں اضافہ کیا جانا ہے کیونکہ جنگلات کی کٹائی کی وجہ سے عالمی حدت میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ جنگلات کی کمی سے فضائی آلودگی میں اضافہ ہورہا ہے۔ آج جس طرح سے کائنات کا

ماحولیاتی توازن بگڑ رہا ہے فضائی، زمینی، آبی، ہر قسم کی آلودگی بڑھ رہی ہے، زمین کا درجہ حرارت بڑھ رہا ہے، گلیشیر پگھل رہے ہیں۔

یہ صرف زمین کے اوپر کی سچائیاں ہیں، اس کے علاوہ زمین کے نیچے بھی سطح بہت متاثر ہورہی ہے، گرین ہاؤس افیکٹ سے قطبین (نارتھ پول- ساؤتھ پول) پر جمی برف پگھلنے لگی ہے جس سے سمندر کی سطح بلند ہورہی ہے۔ زمین کا تین چوتھائی حصہ پانی پر مشتمل ہے۔ صرف ایک حصہ خشکی کا ہے۔ زمین پر پائے جانے والے پانی میں سے 97 فیصد پانی سمندروں میں پایا جاتا ہے جبکہ باقی تین فیصد میں سے 2 فیصد گلیشیر زمیں اور ایک فیصد دریاؤں، جھیلوں اور ندیوں وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ اب اگر قطبین پر جمی برف پگھلنے لگی ہے تو تصور کریں کہ دنیا میں کتنی تباہی آئے گی۔

ماحول میں ہونے والی مضر تبدیلیوں سے تحفظ کے لیے ماحولیات کے ماہرین درج ذیل اقدامات کی ضرورت پر زور دیتے ہیں:

- جس قدر زیادہ ممکن ہو شجرکاری کی جائے۔
- فیکٹریوں اور گھروں کی گندگی پانی میں نا پھینکی جائے۔
- زہریلے دھوئیں کے اخراج پر کنٹرول کیا جائے۔
- پلاسٹک سے بنی اشیا سے بچا جائے۔
- ایل ای ڈی لائٹ کا استعمال کیا جائے۔
- صفائی پر زیادہ سے زیادہ دھیان دیا جائے۔
- پانی کا بے جا خرچ نہ کیا جائے۔

آج ماحولیات کے تحفظ کے لیے عالمی سطح پر کوششیں کی جاری ہیں۔ ماحولیات کا عالمی دن ہر سال 5 جون کو اقوام متحدہ کے زیر اہتمام سنہ 1974 سے منایا جاتا ہے اور یہ روایت پچھلے 43 سال سے دنیا کے 100 سے زائد ممالک میں جن میں ہندوستان بھی شامل ہے بڑے جوش و جذبے سے قائم ہے۔ اس دن کو منائے جانے کا مقصد لوگوں میں ماحول کے تحفظ کے لیے بیداری لانا ہے۔ کیونکہ پوری دنیا کو اس وقت ماحولیاتی آلودگی کا سامنا ہے اور انسان نے تو زندگی کے مختلف شعبوں میں سائنس اور ٹکنالوجی کی مدد سے ترقی کی دوڑ میں ماحولیات کو یکسر نظرانداز کردیا ہے۔

یہ دور گلوبلائزیشن کا ہے۔ سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں ہونے والی بے پناہ ترقیات، ایجادات، تحقیقات اور انتہائی مفید کیمیائی اور حیاتیاتی دریافت نے انسان کے لائف اسٹائل کو ماضی کے مقابلے میں بہتر اور آسان بنا دیا ہے لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ معیار کو بہتر بنانے کی ان انسانی کوششوں نے قدرتی ماحول پر انتہائی خطرناک اثرات مرتب کیے ہیں۔ یو این او کے ایک ذیلی ادارے کے تحقیقی سروے کرنے والے ماہرین کی ٹیم کے ایک جائزے کے مطابق دنیا میں ہر سال تقریباً 30 لاکھ لوگ صرف فضائی آلودگی کی وجہ سے مرجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ فضائی آلودگی کے سبب ہونے والی تیزابی بارش کی وجہ سے پودوں، جانوروں حتیٰ کہ شاہکار عمارت مثلاً تاج محل کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے۔ ہم سب کو ماحول کے تئیں اپنی بیداری کا ثبوت پیش کرتے ہوئے اسے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے اور دوسروں کو بھی ہم بتائیں کہ ماحول کو کیسے بہتر بنایا جاسکتا ہے؟

■

Zubair Khan Sayeedi
E-246/5, First Floor, Shaheen Bagh
Jamia Nagar, Okhla, New Delhi - 110025

مہدی پرتاپ گڑھی

افطار

عصر کے بعد میں گھر سے نکلا
راہ میں کچھ بچوں کو دیکھا
آپس میں تھے محوِ گفتگو
کرتے تھے افطار کا چرچا

اک اک بچہ بتا رہا تھا
اس کے گھر میں کیا کیا پکا تھا
افطاری کے اہتمام میں
ہر گھر میں اِک ہنگامہ تھا

کوئی بچہ بتا رہا تھا
پکی مرے گھر میں بریانی
کھیر بنی ہے میرے گھر میں
عربی کھجوریں لائی نانی

ابو مرے لکھنؤ سے آئے
آم ملیح آبادی لائے
زردہ میری ماں نے پکایا
بھائی ملے تربوز اٹھائے

امی بنا رہی ہیں پکوڑے
میرے گھر میں بنے ہیں چھولے
دادا روح افزا لائے ہیں
شربت بنے کا بڑے مزے سے

غرض کہ اک اک بچہ بولا
پکا ہے کیا کچھ گھر میں بتایا
تھا رمضان کا پہلا روزہ
بچوں نے کرلیا فیصلہ

سب گھر سے لائے افطاری
دسترخوان پہ اُسے سجایا
مسجد میں آئے تھے مسافر
سب نے مل کر روزہ کھولا

بچوں کے صادق جذبے پر
سب نے دعا دی اور سراہا
بعد افطار، نماز ادا کی
بچے بولے شکر خدا کا

Mehdi Pratapgarhi
28 School Ward
Partap Garh - 230001 (UP)

محمد شہاب الدین قاسمی

رمضان اور اس کے مقاصد

بچو! رمضان المبارک کا مہینہ آرہا ہے۔ یہ اسلامی کلینڈر کے اعتبار سے دسواں مہینہ ہے۔ یہ بہت مبارک مہینہ ہے، اس میں نیکیوں کا ثواب اور دنوں کے مقابلے میں زیادہ ملتا ہے۔ اسی ماہ میں لوگ روزہ رکھتے ہیں جو پورے مہینے تمام مسلمانوں پر فرض ہے، تراویح بھی اسی ماہ میں پڑھتے ہیں، رمضان کے آخر کے دس دنوں کا اعتکاف کرنا بھی سنت ہے۔ رمضان کا مہینہ دراصل تربیت کا مہینہ ہوئۓ

رمضان کا سب سے خاص عمل روزہ ہے۔روزہ، صبح سے لے کر شام تک بھوکے رہنے اور نفسانی خواہشوں سے اپنے آپ کو روکے رکھنے کا نام ہے۔ لیکن ان کے علاوہ، دل اور زبان کا محفوظ رکھنا بھی روزہ کی حقیقت میں شامل ہے۔ مثلا جھوٹ، غیبت، چغلی، بد نگاہی، بد کاری، بد کلامی بد مزازی وغیرہ، کیوں کہ جب روزہ کی حالت میں حلال چیز سے رکے رہنے کا حکم ہے تو حرام چیز سے تو اور زیادہ بچنا چاہیے۔ اسی لیے اسلام نے روزہ میں صرف کھانے، پینے اور جنسی تعلقات پر ہی روک نہیں لگائی ہے بلکہ اس نے ہر اس کام سے روکا ہے جو روزہ کے مقصد کو پورا کرنے سے روکتا ہے۔

بچو! آپ سوچتے ہوں گے کہ روزہ رکھنے سے کیا فائدہ؟ اور اللہ میاں کیوں انسان کو دن بھر بھوکا پیاسا رکھ کر مشقت میں ڈالتا ہے؟ کیا اس سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا ضروری تھا؟ اس سے اللہ میاں کو کیا فائدہ؟۔ تو آؤ! ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ میاں کیوں ہم کو روزہ رکھنے کا حکم دیا اور کیسے ہم پر روزہ فرض ہوا؟ قرآن مجید میں ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کو آہستہ آہستہ بیان کیا گیا تا کہ انسان پر بوجھ نہ پڑے نیز آہستہ آہستہ انسانوں کی طبعیت اس کی طرف مائل ہوجائے۔ پھر آگے تسلی دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہ مت سوچنا کہ یہ مشقت صرف تمھیں ہی دی گئی ہے، بلکہ تم سے پہلی امتوں پر بھی روزہ فرض کیا گیا تھا۔ اس نے روزے کے مقاصد کو یوں بیان کیا ''لَعَلَّکُم تَتَّقُونَ'' تا کہ تم متقی بن جاؤ یعنی تمہارے اندر تنہائیوں اور بازاروں میں بھی خدا سے ڈرنے کی صفت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ ایک روزہ دار جب تنہائی میں بھی ہوتا ہے تو بھی پانی کا ایک گھونٹ نہیں پیتا۔ کیوں کہ اس وقت صرف اور صرف یہی احساس ہوتا ہے کہ'' اللہ دیکھ رہا ہے'' اور یہی چیز اسے نافرمانی سے روکتی ہے۔ یہ احساس پیدا کرنا کہ ''اللہ ہمیں

دیکھ رہاہے''، روزے کا مقصد ہے۔ اسلام نے روزہ کا جونقشہ پیش کیاہے وہ اپنے آپ میں مکمل ہے۔اس نے ایک ہی ساتھ پوری امت مسلمہ کوروزہ رکھنے کاحکم دے کراپنی آفاقیت کوثابت کیاہے اوران تمام کمیوں کو دورکیاہے۔ مذہب اسلام نے ایک وقت میں اورایک ہی مہینہ میں روزہ رکھنے کاحکم دے کراخلاص وتقویٰ اور اتحاد کا پیغام دیاہے۔معلوم ہوا کہ اللہ میاں انسان کو تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہتا ہے بلکہ انسان کے فائدے کے لیے روزہ کوضروری قراردیا۔

آیئے دیکھتے ہیں روزہ سے انسان کو کیا کیا فائدہ ہوتا ہے۔ سال کے گیارہ مہینے انسان اپنے کام میں مشغول رہتا ہے،جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں پردہ پڑجاتا ہے اس لیے ایک مہینہ اللہ تعالی نے مقرر کیا تاکہ آدمی کامل ہوکراس طرح نکلے کہ خواہشات کی لگام اس کے ہاتھ میں ہو جسے وہ اللہ کی مرضی کی طرف موڑتا رہے۔ اسی لیے روزہ کوان نوجوانوں کاعلاج بتایا جو مالی مجبوری کی بناء پرنکاح کی قدرت نہیں رکھتے کیونکہ یہ بہت سے گناہوں سے انسان کومحفوظ رکھتا ہے۔ اس کے ذریعہ انسان میں اللہ کا ڈر پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک افطار کاوقت نہیں ہوتااور اذان نہیں ہوتی تو اس سے ایک سکنڈ پہلے بھی ہم حکم عدولی نہیں کرتے۔سامنے کھانے، پینے کی عمدہ چیزیں رکھی ہوتی ہیں،لیکن اسے ہاتھ نہیں لگاسکتے توجب صرف اللہ کی مرضی پرجائزاورحلال چیزوں کوانسان چھوڑسکتا ہے توحرام اورمنع کی گئی چیزوں تووہ اوربھی ہاتھ نہیں لگاسکتا، ایک مومن سے یہی امید کی جاتی ہے،اسی کی مشق کرائی جاتی ہے اوراسی کا احساس روزہ کے ذریعہ کرایاجاتا ہے کہ یہ کھانا، پینا یہ سب تمہاری ضروریات میں داخل ہیں اور اس کا استعمال تمہارے لیے جائز ہے۔ لیکن تم نے حلال چیزوں کوصرف خدا کی رضا کی خاطر چھوڑ دیا تو حرام چیزوں کے پاس بھٹکنے کی جرات بھی تمہاری شان ایمانی کے منافی ہے۔

روزہ کاایک مقصد یہ بھی ہے کہ بھوکے رہ کرفاقہ کشوں پر مصیبتوں کا بھی احساس ہو۔ رمضان المبارک کے آخر میں عیدالفطر سے پہلے، صدقہ فطر دینے کوواجب قراردے کر غریبوں کے ساتھ اسی ہمدردی کو پیدا کرنے کی ضرورت پرتوجہ دلائی گئی ہے۔

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب کسی مکان کی پینٹنگ کرنی ہوتی ہے تو اس پر یونہی پینٹنگ شروع نہیں کردیتے، بلکہ پہلے اسے کھرچتے ہیں،صاف کرتے ہیں پھراس پررنگ چڑھاتے ہیں۔ اسی طرح دن بھرروزہ میں رکھ کرانسان کے دل کو کھرچا جاتا ہے، پھررات میں قرآن مجید کی تلاوت کے ذریعہ اس کے دل کوکلام الٰہی کے نور سے مزین کیا جاتا ہے،دن کے روزہ کے بعدرات میں تراویح کا اہتمام اورقرآن مجید کی تلاوت کی کثرت سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔لیکن بچوں آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہورہا ہوگا کہ رمضان اورتراویح کا کیا تعلق ہے؟ کیوں تراویح صرف رمضان ہی میں پڑھی جاتی ہے؟ تو اس کا آسان سا جواب یہ ہے کہ قرآن شریف جواللہ تعالی کی کتاب ہے وہ اسی مہینے میں ہمارے نبی محمد ﷺ پرنازل ہوئی۔حضرت محمد مصطفیٰؐ رمضان ہی میں جبرئیلؑ کو قرآن شریف کا دورسناتے تھے،اس لیے قرآن کا رمضان سے گہرا جوڑ ہے۔ یہ بھی ایک عام مشاہدہ ہے کہ انسان کوجب کسی سے محبت ہوجاتی ہے تواس محبت کا ایک درجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کھویا کھویا سارہنے لگتاہے،اسے محبوب کی یاد میں کھڑے ہوکر گنگناتے رہنا اچھا لگتا ہے،محبوب کی زبان سے نکلی ہوئی بات

کووہ بار بار دوہراتا ہے۔ پھر جب محبت اور آگے بڑھتی ہے تو وہ بھوکا پیاسا رہنے لگتا ہے، کھانے سے اسے رغبت نہیں ہوتی، کئی کئی دن یونہی گذر جاتے ہیں۔ پھر محبت کی چنگاری جب شعلہ بنتی ہے تو محبوب کی راہوں میں مال خرچ کرتا ہے، روپئے لٹاتا ہے اور جب یہ انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو پھر وصال یار کے لیے اس کی گلیوں کا چکر لگانے لگتا ہے، مال، وقت اور دشواریوں کی پرواہ کیے بغیر محبوب کے حصول میں دیوانہ وار اس کے درودیوار تک پہونچ جاتا ہے اوراس کی یہ حالت ہوجاتی ہے:

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ، مجھے کام اپنے ہی کام سے
تیرے ذکر سے، تیری فکر سے، تیری یاد سے، ترے نام سے

ٹھیک اسی طرح ایک سچے روزہ دار کی کیفیت ہوتی ہے۔ وہ دن میں روزہ رکھتا ہے، رات میں تراویح پڑھتا ہے، پورادن قرآن شریف کی تلاوت کرتا رہتا ہے اور پورا رمضان اپنا مال غریبوں، مسکینوں اور بے سہارالوگوں پرخرچ کرتا رہتا ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ عید سے پہلے صدقہ فطر کی ادائیگی ہو جائے تا کہ غریب و مسکین بھی ہمارے ساتھ عید کی خوشی میں شامل ہو سکیں اور وہ بھی ہماری طرح عمدہ کپڑا پہن کر عید گاہ جاسکیں۔

بچو! آپ کو یہ بھی بتا تا چلوں کہ رمضان کے مہینے میں ایک اہم عبادت اعتکاف کا بھی ہوتا ہے۔ ویسے تو ہم اعتکاف پورے سال کر سکتے ہیں لیکن جس طرح رمضان کے اخیر عشرہ یعنی بیس رمضان سے عید کے چاند نکلنے تک اعتکاف کی فضیلت آئی ہے وہ دوسرے دنوں میں نہیں آئی ہے اور ہمارے نبیؐ پابندی سے اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ آفتاب رسالتؐ کا قرآن نازل ہونے سے پہلے غار حرامیں رہنا، وہاں جا کر تنہائی اختیار کرنا اورصرف اپنے معبود کی طرف دھیان لگائے رکھنا، اعتکاف کی ہی ایک شکل تھی۔لہٰذانزول قرآن کے مہینہ میں اعتکاف کی تاکیداسی باریک نکتہ کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کچھ وقت تک کے لیے ہی سہی، اپنے آپ کو بھوکے پیاسے رہ کر تنہائیوں میں محبوب ومعبود کے دربار میں پڑے رہے۔

بچو! اب ہم یہ ارادہ کریں کہ رمضان میں جب روزے سے ہوں تو کبھی کسی کی برائی نہیں کریں گے، گالی گلوج سے اپنے روزے کوخراب نہیں کریں گے۔ جس طرح ہم رمضان میں رہتے ہیں اسی طرح پورے سال گزاریں گے۔ کیوں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے روزے رکھے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اوراس کے اجروثواب کو ذہن میں رکھتے ہوئے، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے جائیں گے''۔

■

Md. Shahabuddin Rahmani Qasmi
D-41, JJ Colony Inderapuri
New Delhi - 110012

شمس الاسلام فاروقی

لیڈی برڈ بیٹل

لیڈی برڈ کا نام تو آپ کا سنا سنایا ہے۔ لیڈی برڈ سیریز کی کتابیں بہت مشہور ہیں جو آپ نے بھی ضرور پڑھی ہوں گی۔ پتانہیں مجھے یہ نام کیسے ملا۔ ہوسکتا ہے نام دینے والے کو میری شکل لیڈی کی طرح لگی ہو اور جب اس نے مجھے اڑتا ہوا دیکھا ہو تو نام دے دیا ہو لیڈی برڈ اور کیونکہ میں ایک کیڑا ہوں جس کا تعلق بیٹلس کے گروہ سے ہے اس لیے پورا نام لیڈی برڈ بیٹل ہوگیا۔ ویسے نام کی ایک وجہ اور بھی ہوسکتی ہے۔ پرانے زمانے میں کنواری لڑکیاں مجھے اپنی ہتھیلی پر رکھ کر میرے اڑنے کا انتظار کرتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ میں جس سمت میں بھی اڑ کر جاؤں گی ان کا دولہا اسی سمت سے آئے گا۔

دراصل میرا جس گروہ سے تعلق ہے اس کے تمام کیڑوں کے اگلے پَر موٹے اور سخت ہوتے ہیں۔ وہ اڑنے کے لیے استعمال نہیں ہوتے البتہ جسم پر ایک ڈھکن سا بنائے رکھتے ہیں۔ آرام کی حالت میں پچھلے اڑنے والے پَر جو بڑے، باریک اور جھلی دار ہوتے ہیں تہہ کر کے اگلے ڈھکن نما پَروں کے نیچے چھپ جاتے ہیں۔

میرے سینے کا اگلا حصہ بھی ایک خول کی طرح ہوتا ہے۔ عام حالت میں میرا چھوٹا سا سر جس پر مرکب آنکھیں اور چھوٹے چھوٹے مگر کسی قدر چوڑے انٹینی ہوتے ہیں اسی خول کے اندر سکڑا رہتا ہے اور صرف حرکت کرتے وقت ہی باہر نکلتا ہے۔

میرے سینے اور اگلے پَروں کی بناوٹ کچھ ایسی ہے کہ میں دیکھنے میں بٹن جیسی لگتی ہوں۔ سر، پچھلے پَر، تینوں جوڑی پیر اور پیٹ جو حالانکہ خاصا چوڑا ہوتا ہے سب ہی ان ڈھکن نما پَروں کے نیچے آجاتے ہیں۔ اگر کوئی مجھے ہاتھ لگائے یا پھر مجھے کسی قسم کا خطرہ محسوس ہو تو میں اپنا سر اور پیر کسی کچھوے کی طرح اپنے ڈھکن نما پروں کے نیچے سکیڑ لیتا ہوں اور تب ہی باہر نکالتا ہوں جب خطرہ ٹل جائے۔

ہماری دو قسمیں بہت مشہور ہیں جن کے نام کوکسی نیلا (Coccinella) اور اپی لیکنا (Epilechna) ہیں۔ دیکھنے میں یہ دونوں ایک جیسی لگتی ہیں مگر رنگ، اگلے ڈھکن نما پروں پر پڑے دھبّوں، ان کے لاروں کی ساخت اور عادتوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ میرا نام کوکسی نیلا ہے۔ آپ مجھے میرے اگلے پروں کے نارنجی رنگ اور ان پر پڑے چھ گول گول دھبّوں سے پہچان سکتے ہیں۔ میرے لاروں کے بدن پر بالوں کے چھوٹے چھوٹے گچھے ہوتے ہیں۔ ان کے سر کے پیچھے کا حصہ چوڑا ہوتا ہے جو پیٹ کے آخری سرے پر بہت پتلا ہوجاتا ہے۔ سینے حصے میں تین جوڑی پیر ہوتے ہیں جن کی مدد سے وہ آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے چلتے ہیں۔ میں اور میرے لاروے آپ کے دوستوں میں آتے ہیں کیونکہ ہم دونوں ہی آپ کے ایک دشمن کو اپنی غذا بنا کر اس کی تعداد کم کرتے رہتے ہیں۔ یہ دشمن چھوٹے چھوٹے بھنگے ہیں جو بہت بڑی تعداد میں سرسوں، مولی، شلجم اور پالک جیسی ترکاریوں کا رس چوس کر انھیں برباد کردیتے ہیں۔

میری دوسری قسم اپی لیکنا دیکھنے میں بالکل میرے ہی طرح لگتی ہے مگر اس کے اگلے پَروں کا رنگ پیلا ہوتا ہے جس پر چھوٹے کالے دھبوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے لاروے بھی میرے لاروں کی شکل کے نظر آتے ہیں مگر ان کے جسم پر بال شاخدار ہوتے ہیں۔ بیٹل اور لاروے دونوں ہی آپ کے دشمن ہیں جو ترئی، لوکی اور ٹنڈوں جیسی ترکاریوں کو کھا کر انھیں برباد کرڈالتے ہیں۔

■

Shamsul Islam Farooqui
90-B, Ahata Talib, Noor Nagar
Okhla, New Delhi - 110025

ندیم غوری

حساب کتاب

دسویں جماعت کو دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ گروپ 'A' اور گروپ 'B' تا کہ ایک گروہ نصابی سوال کرے تو دوسرا اس کا جواب دے۔ اِس گروہ بندی میں گہرے دوست بھی بچھڑ کر ایک دوسرے کے مخالف گروہ میں شامل کر دیے گئے تھے۔ مگر دوستی پھر بھی پکّی اور قائم تھی۔ آج آخری پریڈ میں یونہی دونوں گروہوں میں ذرا نوک جھونک شروع ہوئی جہاں بٹوارہ ہو وہاں عداوت تو ہو ہی جاتی ہے۔ چنانچہ گروہ 'A' نے کہا کہ حساب کی مدد سے ہر کام بالکل درست ہوتا ہے۔ گروہ 'B' نے پوچھا "اچھا! وہ کیسے؟" جواب ملا کہ اگر ایک کاریگر کسی پلنگ کو چھ گھنٹوں میں تیار کر سکتا ہے تو چھ کاریگر مل کر اسی پلنگ کو ایک گھنٹے میں تیار کر لیں گے۔ کیا یہ غلط ہے؟ گروپ 'B' نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا بکواس ہے۔ گروپ 'A' نے پوچھا وہ کیسے، گروپ 'B' نے کہا وہ ایسے کہ چھ کاریگروں کو ایک گھنٹے کے 60 منٹ سے ضرب دیا جائے تو 360 کاریگروں کا ٹولہ برآمد ہوگا جو اس پلنگ کو ایک منٹ میں تیار کر دے گا کیا یہ ممکن ہے؟ اب اور آگے بڑھیے اُس ٹولے کو مزید 60 سیکنڈ سے ضرب تڑکا لگائیے۔ تو 21600 کاریگروں کی بھیڑ بھاڑ جمع ہو جائے گی جو اُس نامراد پلنگ کو ایک سیکنڈ میں کھڑا کر دے گی۔ کیا ایسا بھی ممکن ہے؟ یہ تو سراسر بھونڈا مذاق ہے۔ ان پے در پے حملوں کی تاب نہ لا کر گروپ 'A' آپے سے باہر ہو گیا اور دونوں گروہ حرکت میں آکر دست و گریباں ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ سر پھٹول جنگِ عظیم میں تبدیل ہو گئی۔

پھر تو دوستانہ مار پیٹ دھول دھپّہ غراہٹ دھونس دھمکی انجام کا انتباہ سب کچھ ہونے لگا۔ اِس مارا ماری میں ایک آواز اُبھری میں نے اُس کی کمر پکڑ لی۔ جوابی آواز آئی صحیح جکڑی ہے۔ بجاتے رہو۔ ہر طرف دلدوز آوازیں سمع خراش چیخیں جنگی حربے اور فلک شگاف قہقہے جاری تھے کہ اتنے میں ایک گھبرائی ہوئی صدا سنائی دی۔ ارے ٹھہرو کم بختوں رُک جاؤ اخلاق سر آگئے! یہ سنتے ہی سب کا نشہ نو دو گیارہ ہو گیا اور سب الگ الگ ہو کر اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ کر گہری سانسیں لیتے ہوئے حواس درست کرنے لگے۔ اتنے میں اخلاق سر داخل ہوئے اور تمام طلبا کھڑے ہو گئے:

اخلاق سر: (بیٹھتے ہوئے) بیٹھ جاؤ اور تمام طلبا بیٹھ گئے۔

اخلاق سر: (طنزیہ مسکراہٹ سے) ارے بھئی آپ لوگ کس بات کا جشن منا رہے تھے؟

یہ سنتے ہی کھسیانی ہنسی کی ایک لہر جماعت کے پہلے

سرے سے آخری سرے تک چلی گئی۔

اخلاق سر: مجھے بتاؤ تو سہی بات کیا تھی۔ چلو تم بتاؤ گروپ 'B'

گروپ B: سر گروپ 'A' نے ریاضی کو غلط انداز سے پیش کیا تھا جس پر تکرار ہوئی۔

اخلاق سر: ٹھیک ہے لیکن یہ بات جان لو کہ تم جہاں بھی نظر اٹھاؤ گے وہاں دائروں، مثلثوں وغیرہ کی صورت میں ہر جگہ ریاضی کو پاؤ گے۔ یہ ساری خدائی حسابی نقطوں (Pixels) میں تقسیم ہے ہر پکسل اپنی پوزیشن کے حسابی کلیوں پر قائم ہے۔ پکسل کی پوزیشن میں تبدیلی حسابی کلّیوں کی تبدیلی کا باعث ہوتی ہے۔

گروپA: (حیرت سے) سر کیا اُردو ادب بھی حساب سے متاثر ہوتا ہے؟

اخلاق سر: بالکل۔ حساب ہی سے تو ادب کے معیار میں اضافہ ہوتا ہے۔

گروپB: پھر تو شاعری میں بھی ریاضی شامل ہوئی ہوگی۔

اخلاق سر: ہاں ہاں کیوں نہیں یہ عروض، شعر کا وزن، قافیہ، ردیف یہی تو ریاضی ہے۔ یہاں تک کہ ادبِ لطیف طنز و مزاح سب کچھ حساب سے ہوتا ہے۔ جن سے پڑھنے والا اکتاہٹ اور ذہنی تکان کو دور کر کے فرحت اور تازگی محسوس کرتا ہے۔

گروپ A: سر کیا لطیفہ گوئی میں بھی حساب پوشیدہ ہوتا ہے۔

اخلاق سر: بالکل بالکل معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ لوگ تفریح کے موڈ میں آگئے ہو۔ تو کیوں نہ آپ لوگوں سے کچھ لطیفے سنے جائیں کیا کہتے ہو؟ (تمام طلبا کہتے ہیں ضرور ضرور)

اخلاق سر: تو پہلے گروپ A سے کوئی اچھا سا لطیفہ سنائے پھر بعد میں گروپ B سے سنیں گے۔

گروپ 'A': ضرور سر ہماری جانب سے عین غین لطیفہ سنائیں گے۔

اخلاق سر: ہائیں! یہ عین غین کیا ہوتا ہے؟

گروپ A: سر یہ عابد غیاث ہے لطیفہ گوئی میں ماہر۔

اخلاق سر: تو ٹھیک ہے عابد شروع ہو جاؤ۔

عین غین: ایک دِن ایک لڑکا صبح صبح کسی دکان پر پہنچا اور دکاندار سے کہا۔

لڑکا: گڈ مارننگ سیٹھ جی گڈ ڈے بسکٹ ہیں؟

دکاندار: ویری گڈ مارننگ بالکل ہیں کہو کتنے پیکٹ باندھ دوں۔

لڑکا: پھر تو پارلے جی بسکٹ بھی ہوں گے؟

دکاندار: ہاں جی وہ بھی ہیں کہو کتنے پیکٹ باندھ دوں۔

لڑکا: کریک جیک تو ضرور ہوں گے۔

دکاندار: (شبہ کی نظر سے دیکھتے ہوئے) آخر آپ کو چاہیے کیا؟

لڑکا: کتے کے کھانے کے بسکٹ (طلبا ہنسنے لگتے ہیں)

دکاندار: یہیں کھاؤ گے یا باندھ دوں؟ (یہ سن کر طلبا کا قہقہہ گویا چھت ہی کو اڑا دے گا)

اخلاق سر: (مسکرا کر) بہت خوب۔ اب گروپ 'B' کی باری ہے۔

گروپ B: ہماری طرف سے س ش یعنی سلیم شیخ اپنا لطیفہ پیش کریں گے سر کی اجازت چاہیے۔

اخلاق سر: اجازت ہے۔

س ش: لنچ کے دوران باپ نے اپنے بیٹے سے کہا

باپ: بیٹا کھانا خوب چبا کر اور خاموشی سے کھانا چاہیے اور

درمیان میں بات بالکل نہیں کرنا چاہیے۔

بیٹا: لیکن ڈیڈی، ڈیڈی رک جائیے...

باپ: (بیٹے کی بات کاٹتے ہوئے ڈپٹ کر) خاموش! چپکے رہو ٹوکومت۔ سمجھانے پر بھی نہیں مانتا نالائق کہیں کا۔

یہ سن کر بیٹا خاموش ہوجاتا ہے اور لنچ ختم ہوجاتا ہے۔

باپ: (ڈکارتے ہوئے) ہاں اب کہو تم کیا کہنے والے تھے۔

بیٹا: (افسوس کرتے ہوئے) اب کیا فائدہ۔

باپ: پھر بھی کہ وہ کیا بات تھی۔

بیٹا: آپ کی دال میں دو مکھیاں تھیں (طلبا ہنستے ہیں)

(یہ سنتے ہی باپ نے ایک بڑی اُلٹی کر کے جتنی دال کھائی تھی اس کی ڈبل اُگل دی اور ہانپنے لگا۔ یہ سن کر کلاس میں گویا قہقہوں کا دھماکہ ہوگیا)

اخلاق سر: بہت خوب بہت خوب۔ بچوں دونوں لطیفوں میں مزہ آ گیا۔ اِن میں کھانے پینے کی چیزوں کی لاگت، تیاری کھانے کی مقدار وغیرہ سب کچھ حساب میں شامل ہے۔ اِس طرح ہر بچہ کو زندگی میں ہر وقت حساب درپیش رہتا ہے۔ اِس لیے ہر طالب علم ریاضی سے مانوس رہتا ہی ہے۔ اِس میں بس ذرا سی توجہ اور تھوڑی محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ہر سائنس ہر علم کی بنیاد ہے۔ اِس کا اثر زمین سے آسمان تک ظاہر ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ آسمان کے اوپر بھی حساب کتاب ہوگا۔ یعنی اِس سے دونوں جہاں سنور سکتے ہیں۔ اچھا بچوں یہ تو بتاؤ اردو میں عدد کے لیے اور کوئی لفظ موجود ہے؟

(طلبا جواب کے لیے اپنے ہاتھ بلند کرتے ہیں)

اخلاق سر: ریاض تم بتاؤ۔

ریاض: سر عدد کو اُردو میں ہندسہ بھی کہا جاتا ہے۔

اخلاق سر: شاباش۔ لفظ ہندسہ سے ہی ظاہر ہے کہ یہ ہند یعنی ہندوستان میں ایجاد ہوا ہوگا۔ اِسی لیے ہندوستان کو ریاضی میں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ چنانچہ زمانۂ قدیم میں برہم گپتا (پیدائش 598 قبل مسیح) نے صفر ایجاد کیا اور آریا بھٹ نے نئی معلومات فراہم کیں۔ جبکہ عہد وسطیٰ میں مہاویر اچاریہ (نویں صدی عیسوی) اور بھاسکر اچاریہ (بارہویں صدی عیسوی) نے دنیا والوں کو علم الحساب کا درس دے کر ہندوستانی رواداری کی شاندار مثال قائم کی۔ جواب تک جاری وساری ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ جاری رہے گی مجھے امید ہے کہ آپ جیسے ہونہار طلبا اپنے بزرگوں کی طرح سخت محنت اور مشق بہم پہنچا کر اپنا اور اپنے وطن کا نام مزید روشن کریں گے۔ اب ہم یہیں رُک جاتے ہیں کیونکہ پریڈ ختم ہوا چاہتا ہے۔

اتنے میں چھٹی کی گھنٹی بجتی ہے۔

■

Mustafa Nadeem Khan Gauri
Plot No.: 4, Zarina Manzil, Vrindavan Colony
Old Jalna - 431213 (Maharashtra)

نظم

ننھا فرشتہ

عطیہ پروین

ایک صبح دادا جی گھر سے
اصل میں ان کے بیوی بچے
اپنے گھر میں تھے وہ اکیلے
دیکھ رہے تھے سب کا رستہ
چارے جو پینا تھی ان کو
لیکن جب وہ گلی میں آئے
بھیڑ بہتی تھی سڑک کے اوپر
ایک قدم چلنا مشکل تھا
بے چارے دادا جی چپکے!
کون کرے حل مشکل میری
کون سڑک کو پار کرائے
اتنے میں دادا نے دیکھا
ہوگا شاید پانچ برس کا
گال گلابی آنکھیں نیلی
بال سنہرے اور گھنگھرالے
نیکر تھی میرون کلر کی
ہونٹوں پر مسکان تھی ایسی
آیا تتلی جیسا اڑتا
دادا جی مت جانا آگے
دھکّا کوئی لگ جائے گا
چوٹ کہیں پر آجائے گی
لائیے ڈبہ مجھ کو دیجیے
دھیرے دھیرے ہولے ہولے
یہ کہہ کر بچے نے انگلی
چلا وہ دادا جی کو لے کر
دادا جی کہتے جاتے تھے
دودھ کا ڈبّہ لے کر نکلے
گاؤں کو اپنے گئے ہوئے تھے
کھاکر سیب امرود اور کیلے
بے چارے آخر کرتے کیا—!
نکلے گھر سے وہ آخر کو
دیکھ کے یہ منظر گھبرائے
موٹر رکشہ اور ٹریکٹر
کیسے ملتا ان کو رستا
کھڑے ہوئے یہ سوچ رہے تھے
کون سنے آواز کو میری
ہاتھ پکڑ کر مجھے چلائے
اک چھوٹا پیارا سا بچہ
یا پھر ساڑھے چار برس کا
دھاری والی شرٹ تھی پیلی
وہائٹ موزے جوتے کالے
آنکھوں پہ عینک تھی نظر کی
جیسے چٹکے کوئی کلی سی
اور ان سے ہنس کر یہ بولا
بھیڑ میں رہ جائیں گے پھنس کے
دودھ کا ڈبّہ گر جائے گا
دادی اماں گھبرائے گی
زور سے میرا ہاتھ پکڑیے
آیئے میرے پیچھے پیچھے
دادا جی کی پیار سے پکڑی
ہٹ جاؤ رستہ دو کہہ کر
بچے تجھ کو اللہ رکھے

■

Atiya Parween
Naya Makan, Vill. & P.O.: Saidpur
Rudauli, Faizabad - 225407 (UP)

شجاع الدین شاهد

پانی ہے انمول

پانی ہے انمول رے بابا پانی ہے انمول
بن پانی کے سب کا جیون ہوگا ڈانوا ڈول
پانی ہے انمول رے بابا پانی ہے انمول

سنو کہانی پانی سے ہی ہرا بھرا ہر منظر
قدرت کے اس تحفے سے ہی خوش حالی ہے گھر گھر
انسانی زنجیر بنا کر دہرائیں یہ بول
پانی ہے انمول رے بابا پانی ہے انمول

گرج گرج جب بادل برسے مسکایا دہقان
اب برسے گی رِم جھِم بارش قدرت کی ہے شان
منّا مُنّی راجہ رانی مل کے بجائیں ڈھول
پانی ہے انمول رے بابا پانی ہے انمول

قدر کرو پانی کی لوگو ہوگی سب کی بھلائی
شکر کرو اس کا جس سے یہ دولت تم نے پائی
اِس کے آگے کچھ بھی نہیں ہے ڈالر یا پٹرول
پانی ہے انمول رے بابا پانی ہے انمول
بن پانی کے سب کا جیون ہوگا ڈانوا ڈول

■

Shujauddin Shahid
304, Mansarover Apartment, A-Wing- Malwani
Mahada, Malad (w) Mumbai - 400095 (Maharashtra)

سید پرویز قیصر

ٹونٹی ٹونٹی عالمی کپ 2016

ویسٹ انڈیز نے کولکاتا کے ایڈن گارڈن میں 60 ہزار سے زیادہ تماشائیوں کی موجودگی میں انگلینڈ کو 4 وکٹ سے شکست دے کر چھٹا ٹونٹی ٹونٹی عالمی کپ جیتا۔ یہ دوسرا موقع ہے جب ویسٹ انڈیز نے ٹونٹی ٹونٹی عالمی کپ جیتا ہے۔ اس نے پہلی مرتبہ یہ خطاب 2012 میں سری لنکا میں ہوئے ٹورنامنٹ میں جیتا تھا تب اس نے میزبان سری لنکا کو کولمبو میں کھیلے گئے فائنل میں 36 رن سے شکست دی تھی۔

ویسٹ انڈیز دومرتبہ ٹونٹی ٹونٹی عالمی کپ جیتنے والی پہلی ٹیم ہے اس نے ایک روزہ بین الاقوامی کرکٹ میں پہلے دو عالمی کپ جیتنے کا اعزاز بھی حاصل کیا تھا۔ کلائیولائیڈ کی قیادت میں اس نے 1975 میں آسٹریلیا کو ہرا کر چیمپین ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا جبکہ 1979 میں اس نے انگلینڈ کو شکست دے کر کامیابی کے ساتھ خطاب کا دفاع کیا تھا۔

چھٹے ٹونٹی ٹونٹی عالمی کپ میں ٹسٹ کا درجہ رکھنے والی دس ٹیموں کے علاوہ افغانستان، عمان، ہانگ کانگ، اسکاٹ لینڈ آئرلینڈ اور ہالینڈ نے شرکت کی تھی۔

کوالی فائنگ راؤنڈ میں آٹھ ٹیموں نے شرکت کی جن کو دو گروپوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ گروپ 'اے' میں بنگلہ دیش، ہالینڈ، عمان اور ہالینڈ کو جگہ ملی تھی جبکہ گروپ 'بی' میں افغانستان، زمبابوے، اسکالینڈ اور ہانگ کانگ کو رکھا گیا تھا۔ ہر گروپ سے پہلی پوزیشن حاصل کرنے والی ٹیمیں سپر دس میں کھیلنے کی حقدار بنیں۔ یہ اعزاز گروپ 'اے' سے بنگلہ دیش نے اور گروپ 'بی' سے افغانستان نے حاصل کیا۔ ٹسٹ کا درجہ رکھنے والی زمبابوے کی ٹیم سپر دس میں جگہ حاصل کرنے میں ناکام

رہی۔ سپر دس میں ٹیموں کو دو گروپوں میں تقسیم کیا گیا تھا گروپ 'ایک' میں ویسٹ انڈیز، انگلینڈ، جنوبی افریقہ، سری لنکا اور افغانستان کو رکھا گیا تھا جبکہ گروپ 'دو' نیوزی لینڈ ہندوستان، آسٹریلیا، پاکستان اور بنگلہ دیش پر مشتمل تھا۔ ہر گروپ سے پہلی دو پوزیشن حاصل کرنے والی ٹیمیں سیمی فائنل میں کھیلنے کی حقدار بنیں۔

دہلی کے فیروز شاہ کوٹلہ میدان پر 30 مارچ کو کھیلے گئے پہلے سیمی فائنل میں انگلینڈ نے نیوزی لینڈ کو 7 وکٹ سے ہرایا۔ ٹاس ہارنے کے بعد پہلے بلے بازی کرتے ہوئے نیوزی لینڈ نے مقررہ 20 اوور میں 8 وکٹ پر 153 رن بنائے۔ کولین منرو نے سب سے زیادہ 46 رن بنائے۔ بین اسٹوکس نے 26 رن دے کر تین وکٹ حاصل کیے۔ انگلینڈ نے 17.1 اُوور میں 3 وکٹ پر 159 رن بنا کر کامیابی حاصل کی۔ جیسن رائے نے 44 گیندوں پر 78 رن بنائے اور مین آف دی میچ ایوارڈ کے حق دار بنے۔

دوسرے سیمی فائنل میں جو ممبئی کے وانکھیڑے اسٹیڈیم میں 31 مارچ کو کھیلا گیا۔ ویسٹ انڈیز نے میزبان ہندوستان کو 7 وکٹ سے شکست دی۔ ٹاس ہارنے کے بعد پہلے بلے بازی کرتے ہوئے ہندوستان ے 20 اوور میں دو وکٹ پر 192 رن بنائے۔ وراٹ کوہلی نے سب سے زیادہ 89 رن بنائے اور وہ آؤٹ نہیں ہوئے۔ انھوں نے 47 گیندوں پر 11 چوکوں اور ایک چھکے کی مدد سے یہ رن بنائے تھے۔ بلے بازوں کے لیے سازگار وکٹ پر ویسٹ انڈیز کے لیے یہ اسکور بڑا ثابت نہیں ہوا اور اس نے 19.4 اوور میں 3 وکٹ پر 196 رن بنا کر میچ جیت لیا۔ لینڈل سیمنس جو اس عالمی کپ میں پہلا میچ کھیل رہے تھے 51 گیندوں پر سات چوکوں اور پانچ چھکوں کی مدد سے 82 رن بنا کر ناٹ آؤٹ رہے۔

کولکاتا کے ایڈن گارڈن پر 3 اپریل کو کھیلے گئے فائنل میں ویسٹ انڈیز نے ٹاس جیت کر پہلے انگلینڈ سے بلے بازی کرائی۔ انگلینڈ نے مقررہ 20 اوور میں 9 وکٹ 155 رن بنائے۔ جو رُوٹ نے 36 گیندوں پر سات چوکوں کی مدد سب سے زیادہ 54 رن بنائے۔ ڈیون بریوو نے 37 رن دے کر تین وکٹ حاصل کیے۔

ویسٹ انڈیز نے 19.4 اوور میں 6 وکٹ پر 161 رن بنا کر فائنل میچ جیتا اور دوسری مرتبہ ٹونٹی ٹونٹی کرکٹ کے عالمی چیمپئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ مارلون سیموئلس نے 66 گیندوں پر 9 چوکوں

اور دو چھکوں کی مدد سے آؤٹ ہوئے بغیر 85 رن بنائے۔ کارلوس بریتھویٹ نے آخری اوور کی چار گیندوں پر لگا تار چار چھکے لگا کر اپنی ٹیم کو فتح دلائی تھی۔ انھوں نے تیز گیند باز بین اسٹوکس کی گیندوں پر ایسا کیا تھا۔ مین آف دی میچ ایوارڈ مارلون سیموئکس کو دیا گیا۔

ویسٹ انڈیز کو ٹونٹی ٹونٹی عالمی کپ جیتنے پر 1600000 ڈالرز یعنی لگ بھگ 107200000 روپے انعامی رقم کا چیک ملا۔ اس نے سپر دس میں تین میچ جیتے تھے جس کے بعد وہ 180000 ڈالرز کی حقدار بنی۔ اسے کل 1780000 ڈالرز یعنی 119260000 روپے ملے۔

انگلینڈ کو دوسری پوزیشن حاصل کرنے پر 980000 ڈالرز ملے اُسے سپر دس میں تین میچ جیتنے پر 180000 ڈالرز ملے جبکہ فائنل ہارنے پر 800000 ڈالرز ملے کل ملا کر انگلینڈ کو 65660000 روپے انعامی رقم ملی۔

ہندوستان اور نیوزی لینڈ کو سیمی فائنل میں شکست ہوئی۔ ہندوستان کو 580000 ڈالرز یعنی 38860000 روپے اور نیوزی لینڈ کو 640000 ڈالرز یعنی 42880000 روپے ملے۔

مین آف دی میچ ایوارڈ ہندوستان کے وراٹ کوہلی کو دیا گیا۔ وہ لگاتار دوسری مرتبہ اس کے حقدار بنے۔

چھٹے ٹونٹی ٹونٹی عالمی کپ میں 35 میچوں میں 421 وکٹوں کے نقصان پر 23.11 کی اوسط کے ساتھ 9732 رن بنے۔ اس سے قبل کسی عالمی کپ میں اتنے رن نہیں بنے تھے۔ یہ رن 1250.4 اوور 7.78 رن فی اوور کے حساب سے بنے۔ کل 314 چھکے 98 کھلاڑیوں نے مارے جبکہ 136 بلے بازوں نے 831 چوکے لگائے۔ اتنے چھکے اُس سے قبل کسی ٹونٹی ٹونٹی عالمی کپ میں نہیں مارے گئے تھے۔

ٹونٹی ٹونٹی عالمی کپ جیتنے والی ٹیمیں:

سال	مقام	فاتح	رنراَپ	نتیجہ
2007	جوہانسبرگ	ہندوستان	پاکستان	5 رن
2009	لارڈز	پاکستان	سری لنکا	8 وکٹ
2010	برج ٹاؤن	انگلینڈ	آسٹریلیا	7 وکٹ
2012	کولمبو	ویسٹ انڈیز	سری لنکا	36 رن
2014	ڈھاکہ	سری لنکا	ہندوستان	6 وکٹ
2016	کولکاتا	ویسٹ انڈیز	انگلینڈ	4 وکٹ

■

Syed Pervez Qaiser
1407 Qasimjan Street, Ballimaran
Delhi - 110006

مترجم: انیس الدین ملک

نوبل

اس کی دریافتیں اور اس کا انعامی فنڈ

1846 میں ایک اطالوی کیمیادان پروفیسر سبریرو نے ایک نئی شے کی دریافت کی جس نے بہت سارے مقاصد کے لیے باورد کی جگہ لے لی۔ یہ نائٹروگلسرین تھی جو تیل کی طرح ایک رقیق مادہ ہوتا ہے۔ یہ بغیر پیش خبری کے زبردست دھماکہ خیزی کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ عام طور سے ایک دھماکہ اس وقت ظہور میں آتا ہے جب اس کا ایک سخت جگہ پر ڈال کر اس پر زور سے مارا جاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات بوتل کو ہلکا سا دھچکا دینے پر ہی یہ شدید دھماکے کے ساتھ پھٹ جاتی ہے۔ اس کے موجد کو ان خصوصیات کا علم تھا اس لیے اس نے خبردار کیا کہ تیل کو صنعتی مقاصد کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

بعد میں ایک معتدل حد تک حفاظتی طریقہ دریافت ہوا اور اس رقیق کو جھونکا تیل Blasting oil کے نام سے پکارا جانے لگا۔ کیونکہ اس کو پتھروں کی کانوں میں چٹانوں کو توڑنے کے کاموں میں استعمال کیا جانے لگا۔

1860 میں ایڈمنڈ نوبل نے جو ایک طویل عرصہ سے دھماکہ پیدا کرنے والی اشیاء میں دلچسپی رکھتا تھا، اسٹاک ہام کے قریب نائٹروگلسرین بنانے کی ایک فیکٹری کھولنے کا فیصلہ کیا۔ اس نئے جوکھم کے کام میں اس کے دو بیٹوں نے اس کی مدد کی۔ بدقسمتی سے اس دھندے کی بڑی المناک ابتدا ہوئی۔ فیکٹری کے کھلنے کے فوراً بعد ہی رقیق پھٹ گیا اور عمارت تباہ

ہوگئی۔ بہت سے کام کرنے والے مارے گئے جن میں نوبل کا ایک بیٹا بھی تھا۔لیکن دوسرے بیٹے کی مدد سے نوبل نے پھر نئے سرے سے کام شروع کیا اور جلد ہی وہ تجارتی پیمانے پر نائٹروگلسرین بنانے لگے۔

رقیق کے نقل وحمل میں کافی دشواری کا سامنا تھا کیونکہ اسے ہلانے یا دھچکہ پڑنے پر اس کے پھٹنے کا امکان رہتا تھا۔ اس لیے جن ڈبوں میں اسے بھر کر رکھتے تھے اسے لکڑی کے خانوں میں رکھتے اور درمیانی جگہ میں لکڑی کا برادہ بھر کر اسے روانہ کرتے تھے۔ نائٹروگلسرین میں ایک ملاوٹ ہوتی تھی جو دھات سے ردعمل کرکے رانگے کے ڈبوں کی دیواروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ پیدا کردیتی تھی۔ جب اس طرح کا واقعہ ہوتا تو ان سوراخوں سے رقیق گزر کر لکڑی کے برادے کو سیر کردیتا اور اس کے بعد لکڑی کی پیٹیوں میں سے قطرہ قطرہ ہوکر سڑکوں اور ریلوے لائنوں پر ٹپکنے لگتا اور کبھی کبھی ان لوگوں کے کپڑوں اور جوتوں پر جو اس کو سنبھالتے تھے۔

بعد میں ایک دوسری شے کیسل گوہر کو برادے کی جگہ استعمال کیا گیا۔ یہ ایک سفید سفوف جیسی شے ہوتی ہے جو سمندر کی اس وقت کی چھوٹی مخلوقات کا بقیہ مادہ ہیں جب زمین ہزاروں سال قبل سمندر سے زیرِ آب تھی۔ اس کے بڑے بڑے ذخیرے نوبل کے کارخانے کے آس پاس واقع تھے جو

ہمبرگ کے قریب تھی۔ اس شے کو آسانی سے کھود کر نکالا جاسکتا تھا۔ اس لیے اس کی ایک سستی اور کثیر مقدار پیکنگ کے لیے فراہم تھی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس شے کو استعمال کرتے ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ ایک کاریگر نے جو پیٹی کو کھول رہا تھا یہ مشاہدہ کیا کہ ایک ڈبے میں سے رقیق رس کر نکل آیا تھا لیکن اس میں سے کچھ بھی پیٹی کے باہر نہیں آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کیسل گوہر نے رقیق کو جذب کرلیا تھا۔ جب الفریڈ نوبل نے اس واقع کو سنا تو ایک دم اس کے دماغ میں کیسل گوہر کو پیکنگ میں استعمال کرنے کے بجائے اور بہتر استعمال کرنے کا خیال آیا۔ اس نے فوراً ہی اس خیال کی آزمائش کی اور اس کے تجربات نے یہ دکھایا کہ کیسل گوہر ایک سفید مسام دار شے ہے جو اپنے وزن سے تین گناہ زیادہ وزن کی نائٹروگلسرین کو جذب کرلیتی ہے۔ اس عمل کے دوران یہ تھوڑی سی نم ہوجاتی ہے۔ اس نے یہ بھی پایا کہ یہ نم شے جس میں کیسل گوہر اور نائٹروجن گلسرین تھا، کی خصوصیات رقیق سے کچھ مختلف تھیں۔ یہ دھچکوں سے زیادہ حساس نہیں تھا اس لیے یہ ہلانے یا دھچکا لگنے پر پھٹتا نہیں تھا، اور یہ کھلی ہوا میں بغیر دھماکے کے جل سکتا تھا۔ اس کے باوجود یہ دھماکے کے ساتھ پھٹ سکتا ہے۔ نوبل نے اسے ڈائنامائٹ کہا۔

یہ مشہور کہانی نوبل کے ڈائنامائٹ کی دریافت کے سلسلے

میں اس کے اپنے بیان سے مختلف ہے۔ اس کے مطابق اس نے جان بوجھ کر ایسے تجربات شروع کیے جن سے ایسی شے معلوم ہوسکے جو رقیق کو جذب کرسکے۔ اس نے اس سلسلے میں لکڑی کا برادہ، چارکول، اینٹ کا چورا اور دوسری مسام دار ٹھوس شے کو استعمال کیا اور اس شے کو اس نے سب سے زیادہ موزوں پایا۔

انجینئروں میں اس نئے دھماکہ خیز ڈائنا مائٹ کی مانگ بہت تیزی سے بڑھ گئی اور اسے کانوں، سرنگوں اور سڑکوں کو بنانے میں استعمال کیا جانے لگا۔ کان کن اسے چٹانوں کو اڑانے اور دوسرے مقاصد میں استعمال کرنے لگے۔ (تجوریوں کو اڑا کر کھولنے کے لیے بھی۔)

کئی برسوں تک نائٹروگلسرین کو اس کی حفاظتی شکل ''ڈائنامائٹ'' میں باہر بھیجا جانے لگا۔ لیکن رسل ورسائل کی کچھ مشکلات درپیش رہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب ریلوے کی کمپنیوں نے اسے لے جانے سے انکار کردیا تو فولاد اعصابی انسانوں نے جو کانوں اور پتھروں کی کانوں سے بھرتی کیے گئے تھے اسے صندوقوں میں ذاتی سامان کی حیثیت سے پیک کیا اور ان بکسوں میں رکھا جس پر لیبل لگا ہوا تھا۔'' کانچ ہوشیاری کے ساتھ یہ اسے ہوٹل کے کمروں میں "China, Fragile" کی شکل میں رکھا گیا اور بستروں کے نیچے تہ خانوں مین چھپا دیا گیا۔

نوبل نے بہت سے ملکوں میں نائٹروگلسرین بنانے کی فیکٹری قائم کرنے کی کوشش کی لیکن شروع میں کم کامیابی ملی۔

''وہ پیرس گیا تا کہ اپنی ایجاد کے سلسلے میں مالی امداد لے سکے۔ اس نے فرانسیسی بینکرس کو بتایا کہ اس کے پاس ایک تیل ہے جو دنیا کو اڑا دے گا۔ لیکن بینکرس کا خیال تھا کہ ان کا مفاد اسی میں ہے کہ دنیا کو ایسے ہی چھوڑ دیا جائے۔ پھر وہ نیویارک گیا۔ اس کے سامان میں ڈائنامائٹ سے بھرے چند صندوق تھے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ کوئی بھی ہوٹل اس کو جگہ نہیں دے گا اور نیویارک کے رہنے والے یہ سوچ کر اسے الگ رہے کہ وہ اپنی جیب میں آفت لایا تھا۔''

بہت سی ایسی روایتیں اس کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں جن میں تھوڑی ہی سچائی ہے۔ بالآخر نوبل فرانس اور بیشتر دوسرے ممالک میں فیکٹریاں قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ خاص طور سے 1875 میں اپنی دوسری دریافت کے بعد۔

اس سال نائٹروگلسرین پر تجربہ کرتے ہوئے نوبل نے اپنی انگلی کاٹ لی اور کٹنے کی جگہ پر ایک شے جسے کلوڈین کہتے ہیں لگالی۔ اسے اس زمانے میں عام طور پر کٹنے میں لگاتے تھے۔ کیونکہ چند منٹ میں یہ ایک نئی کھال کی شکل میں جم جاتی تھی

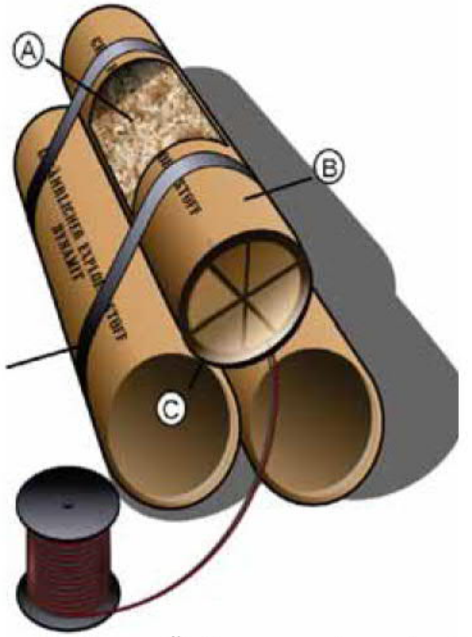

اور کھلے زخم پر دھول پڑنے سے روکتی تھی۔

اس نئی کھال کے ساتھ جو اس کی انگلی پر جمی ہوئی تھی۔ اس نے اپنا تجربہ جاری رکھا، لیکن تھوڑی سی نائٹروگلسرین گرالی۔ کچھ کلوڈین پر بھی گر گئی۔ اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی جب اس نے دیکھا کہ کلوڈین کی شکل بدل گئی ہے۔ ایک اہل سائنسداں ہونے کے ناطے وہ اس خلافِ معمول واقع کی بغیر تحقیقات کیے اسے نظرانداز نہیں کرسکتا تھا۔ اس لیے اس سلسلے میں کئی تجربے کیے۔ ان تجربات کے دوران اسے پتہ چلا کہ جب نائٹروگلسرین کو بہت باریک کلوڈین کے ساتھ گرم کرتے ہیں تو ایک گوندنما شے بنتی ہے۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ یہ شفاف جیلی کی طرح گوند ڈائنامائٹ سے زیادہ طاقتور اور دھماکہ خیز شے ہے۔ نوبل نے اسی نئی شے کو بنانا شروع کردیا، اور اسے ڈائنامائٹ گوند کہا۔ لیکن بعد میں ڈائنامائٹ کے نام کی غلط فہمی سے بچنے کے لیے اس نے اس کا نام بلاسٹنگ جلیٹن رکھا۔

یہ اتفاقی واقعہ جس کی نوبل نے تردید نہیں کی جبکہ اس نے ڈائنامائٹ کے واقع کی تردید کی۔ اس دعوے کو بجا ثابت کرتا ہے کہ بلاسٹنگ جلیٹن ایک انسان کی انگلی میں پیدا ہوئی نہ کہ ایک جانچ کی نلی میں۔

نوبل کی ایک دوست بیرونیس وان سیٹنر نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام Baroness von Suttner تھا۔ اسے امن کے مداحوں نے بہت پسند کیا اور سراہا۔ اس نے نوبل سے اپنی جنگ کو ختم کرنے کے سلسلے میں مدد طلب کی۔ وہ اس کے نقطۂ نظر سے کافی حد تک مطابقت رکھتا تھا۔ لیکن وہ تمام قوموں کو لڑائی سے باز رکھنے کے سب سے عمدہ طریقہ کار پر اختلاف رکھتا تھا۔ ''میری خواہش ہے کہ ایک ایسی شے یا مشین بناؤں جس کی ہولناک کارکردگی سے پوری دنیا میں تباہی مچ جائے۔ جس سے جنگوں کا ہونا سرے سے ہی ناممکن ہوجائے اور پھر آپ کانگریس سے پیشتر ہی ہماری فیکٹری جنگ کا معقول طریقے سے خاتمہ کردے۔ ایک دن جب دو فوجیں ایک دوسرے کو ایک سیکنڈ ہی میں ختم کردیں گی تو تمام ترقی پذیر قومیں ڈر کر جنگ سے توبہ کرلیں گی اور اپنی فوجوں کو سبکدوش کردیں گی۔''

یہ بات دلچسپ ہے کہ تقریباً نصف صدی بعد جب اس طرح کا ایک اور ہتھیار ہائیڈروجن بم کی ایجاد ہوئی تو بہت سے لوگ جیسا کہ نوبل نے پیشن گوئی کی تھی جنگ سے دہشت کھا کر ہٹنے لگے۔ یہ جان کر ہٹے کہ مستقبل میں کئی بڑی لڑائیاں ایک ہولناک تباہی کا انجام کار ہوگی۔ یہ خیال کسی چھوٹے موٹے آدمی نے نہیں بلکہ مسٹر ائزن ہاور نے ظاہر کیا جو ریاست متحدہ امریکہ کے صدر اور دوسری جنگ عظیم میں اتحادی فوجیوں کے افسرِاعلیٰ تھے۔ یہ خیال انھوں نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اگست 1959 میں نشر کیا۔

''جب ہم امن کے بارے میں بات کرتے ہیں تو اپنے

وقت کی ایک نہایت اہم چیز کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ جنگ پوری دنیا کو تباہ کرنے والی اہلیت کی وجہ سے اتنی دہشت انگیز ہے کہ ہم میرا مطلب سارے لوگ اور سائنسداں دانشور بھی اس ذمہ داری کو یقینی طور سے محسوس کریں کہ ہماری کوششیں اس واحد مقصد کی طرف رہنمائی کریں اور یہ رہنمائی ان دماغوں کی ذہانت سے جو ہمیں خدائے کریم نے عطا کیا ہے۔''

تاہم نوبل نے امن کے لیے بہت کچھ کیا۔ بجائے اپنی اس پیشن گوئی کو پورا کرنے کے اس نے اپنی بے شمار دولت میں سے کچھ ملین پونڈ انسان کی بہبودی کے لیے وقف کر دیا۔ اس روپے سے انعامات ان لوگوں کو دینا تھا جنھوں نے امن اور قوموں کی باہم دوستی کے نظریات کو فروغ دیا ہو۔ مسلح فوجوں کی تعداد میں کمی یا ان کے ختم کرنے کی سعی کی ہو۔ امن کی انجمنوں کی ہمت افزائی کی ہو یا بنی نوع انسان کے لیے کوئی بڑی خدمت انجام دی ہو۔

نوبل کا انتقال 1896 میں ہوا اور نوبل انعامات کا فنڈ 1901 میں قائم کیا گیا۔ اس کے بعد ہر سال اس فنڈ سے ہزاروں پونڈ کسی بھی قومیت یا جنس کے شخص کو بطور انعام دیا جاتا ہے۔ اس اسکیم کے مطابق ایک انعام ایک ایسے شخص کو دیا جاتا ہے جس نے امن کو فروغ دینے میں سب سے زیادہ کام کیا ہوا۔ ایسے شخص کا انتخاب ناروے کی پارلیمنٹ کرتی ہے۔ انعامات طب، کیمیا، طبیعات اور ادب پر نمایاں کام کرنے پر دیے جاتے ہیں اور ان کا انتخاب سویڈن کی Swedish Learned Academies کے مشورے پر کیا جاتا ہے۔

ماخذ: (سائنس کی کہانیاں)
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

جوابات

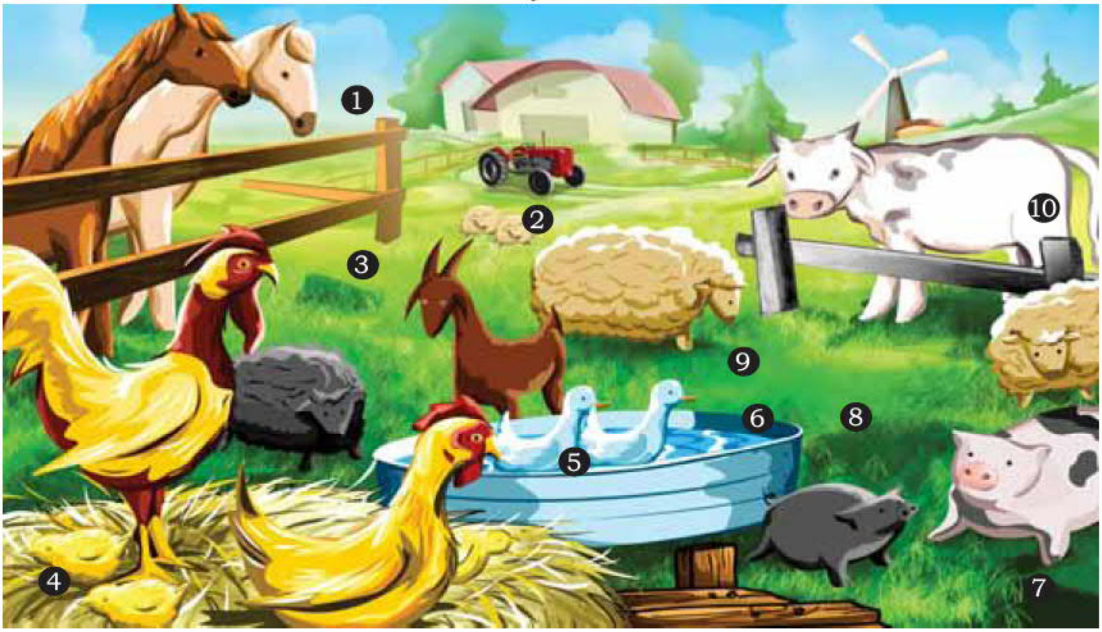

ذکیہ مشہدی

دانیال کا گھوڑا اور ننھی رکشا

دانیال جب چار سال کے تھے تو ان کی سالگرہ پر کسی نے ایک گھوڑا تحفے میں دیا تھا۔ یہ لکڑی اور چمڑے سے بنا ہوا خوب بڑا سا گھوڑا تھا۔ اتنا بڑا کہ ایک چار سال کا بچہ اس پر سوار ہو سکے۔ اس پر باقاعدہ زین کسی ہوئی تھی۔ رکابیں تھیں اور باگ بھی۔ گھوڑے کی ایال اصلی بالوں کی تھی۔ ایال میں چھپا ہوا ایک بٹن تھا۔ بٹن دبانے سے گھوڑا آگے پیچھے حرکت کرنے لگتا تھا اور ٹپاٹپ ٹپاٹپ کی آوازیں آتی تھیں۔ بالکل ایسی جیسی گھوڑا دوڑنے سے اس کی ٹاپوں سے نکلتی ہیں۔ دانیال اس تحفے سے سب سے زیادہ خوش ہوئے۔ اسکول سے آتے ہی اس پر سوار ہوجاتے اور کچھ دیر بعد ہی منہ ہاتھ دھوکر کھانا کھاتے تھے۔ گھوڑا بہت مضبوط تھا۔ ڈھائی سال گزر گئے تھے لیکن ذرا بھی خراب نہیں ہوا تھا۔ دانیال اب بھی اس سے کھیلتے تھے۔ لیکن اب کبھی کبھی سوار ہوتے تھے۔ بہرحال وہ انھیں بہت عزیز تھا۔

ادھر دانیال کی دادی نے ایک نئی ملازمہ رکھی۔ اس کا نام مینا تھا۔ مینا گھر کی صفائی کرتی اور باورچی خانے میں اوپر کا کام کراتی تھی۔ مینا کی ایک چار سال کی بیٹی تھی۔ اس کا نام تھا رکشا۔ مینا اسے گھر پر اپنی ماں کے پاس چھوڑ کر کام کرنے آتی تھی۔ لیکن کبھی کبھی رکشا اس کے ساتھ آنے کی ضد کر بیٹھتی۔ تب اسے لے کر آنا پڑتا تھا۔ مینا اسے اس شرط پر لاتی تھی کہ وہ چپ بیٹھی رہے گی۔ ایک چھوٹی بچی کے لیے یہ بڑا مشکل کام تھا اور تکلیف دہ بھی۔ لیکن وہ ماں کے ساتھ باہر جانے کے لالچ میں مان جاتی تھی۔ وہ جلدی جلدی ہاتھ منہ دھلوا لیتی۔ مینا اس کو صاف ستھری فراک پہناتی اور ساتھ لے آتی۔ دانیال کی دادی اسے ٹافی یا بسکٹ دے دیتیں۔ کوئی ایسا کھلونا بھی جس سے اب دانیال نہیں کھیلتے تھے۔ لیکن رکشا کی نظریں گھوڑے پر لگی رہتیں۔ وہ اسے بہت پسند تھا۔ خاص طور سے اس کا جھولے کی طرح حرکت کرنا اور ٹپاٹپ کی آوازیں۔

ایک دن رکشا نے سب کی نظریں بچا کر گھوڑے پر چڑھنا چاہا۔ وہ چڑھ تو نہیں پائی لیکن اس کی باگیں پکڑ کر اس سے کھیلنے لگی۔ پھر اس نے گھوڑے کے بال سہلائے اور بٹن دبا دیا۔ اس نے کبھی دانیال کو بٹن دباتے دیکھا تھا۔ ٹپاٹپ کی آوازوں کے ساتھ گھوڑا حرکت کرنے لگا۔ رکشا کا چہرہ خوشی سے گلنار ہوگیا۔ وہ تالی بجانے لگی۔ دانیال اس وقت اسکول

سے آ چکے تھے اور کہیں آس پاس ہی تھے۔ گھوڑے کی ٹاپوں اور رکشا کی تالی کی آواز سن کر دوڑے ہوئے آئے۔ رکشا کو گھوڑے سے کھیلتا دیکھ کر بہت ناراض ہوئے۔ انھوں نے زور سے چلا کر کہا مینا، مینا، کہاں ہو تم۔ اسے دیکھو، اپنی بیٹی کو۔ میرا گھوڑا توڑ دے گی۔ مینا آئی تو انھوں نے کہا، ”تم اسے یہاں کیوں لاتی ہو مینا۔ یہ میرے کھلونے چرا کر لے جائے گی۔“ ”نہیں لے جائے گی بھیا۔ ہم ہیں نا۔ اور یہ روز نہیں آتی ہے۔“ مینا نے کہا اور رکشا کو تھوڑا کھینچ کر گھوڑے سے الگ کیا۔ رکشا رونے لگی۔

ہنگامہ سن کر دانیال کی دادی وہاں آ گئیں۔

”دانیال!“ ان کے لہجے میں کچھ ناراضگی تھی۔

”تم نے مینا کی بیٹی کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ سوری کہو۔ اور ہاں تم یہ مینا کا نام کیوں لیتے ہو۔ وہ تم سے بڑی ہے اسے دیدی کہا کرو۔“

”جانے دیجیے۔ اماں جی۔ بھیا ابھی چھوٹے ہیں۔“ مینا نے کہا۔

”اتنے چھوٹے بھی نہیں رہ گئے۔ کچھ دن میں سات سال کے ہو جائیں گے۔ انھیں جاننا چاہیے کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔“

”مینا تو نوکر ہے اسے ہم دیدی کیوں کہیں اور اس کی بیٹی کو گھوڑے سے کیوں کھیلنے دیں۔“

دانیال نے منہ پھلا کر کہا۔

دادی وہیں ٹیرس پر رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئیں۔ ہاتھ پکڑ کر دانیال کو گود میں بٹھا لیا۔ پیار سے بولیں ”بیٹا، محنت اور ایمانداری سے کام کرنے والا ہر انسان عزت کے لائق ہے۔ سب کا کام اپنی اپنی جگہ ضروری ہے۔ اگر مینا گھر کے کام میں مدد نہ کرے تو آپ کی ممی اپنے کام پر نہیں جا سکیں گی۔ وہ دانت کی ڈاکٹر ہیں۔ وہ بھی نوکری کرتی ہیں۔ دادی نے بہت پیار سے سمجھایا۔ اور رکشا چھوٹی بچی ہے۔ اگر اس نے گھوڑا چھو لیا تو آپ کو چلانا نہیں چاہیے تھا۔ سمجھا کر بھی الگ کر سکتے تھے۔ بچے سب اچھے ہوتے ہیں۔ بچے سب کے ہوتے ہیں۔ آئی بات سمجھ میں؟“

”آئی دادی۔“ دانیال دھیرے سے بولے۔

اچانک رکشا نے بھیں بھیں کر کے رونا شروع کر دیا۔ سب لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ دانیال، اس کی دادی، رکشا کی ماں۔ وہ اکیلی پڑ گئی تھی۔ اس سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔

”روؤ مت رکشا۔ آؤ ہمارے گھوڑے کے ساتھ کھیل لو۔ ہم کچھ نہیں کہیں گے۔“ دانیال بولے۔

کہاں تو رکشا رو رہی تھی کہاں ہنسنے لگی۔ بچے سب ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ذرا میں رونا، ذرا میں ہنسنا۔ وہ بڑے معصوم ہوتے ہیں۔ کسی کے ہوں، کہیں ہوں۔

■

Zakia Mashhadi
F-1, Grand Pallavi Court, Judges Court Road, Patna - 800004 (Bihar)

اسد رضا

سمجھ

سائنس ٹیچر مرزا حفیظ بیگ کلاس میں کوئی موضوع پڑھانے کے بعد یہ سوال ضرور کرتے تھے 'سمجھ گئے نا!' اور اس کا جواب چند وہ طلبا بھی (ہاں) میں دیتے تھے جن کی سمجھ میں موضوع بالکل نہیں آتا تھا۔ لیکن طلبا ہی بیگ صاحب کا ان کے جانے کے بعد خوب مذاق اڑاتے۔

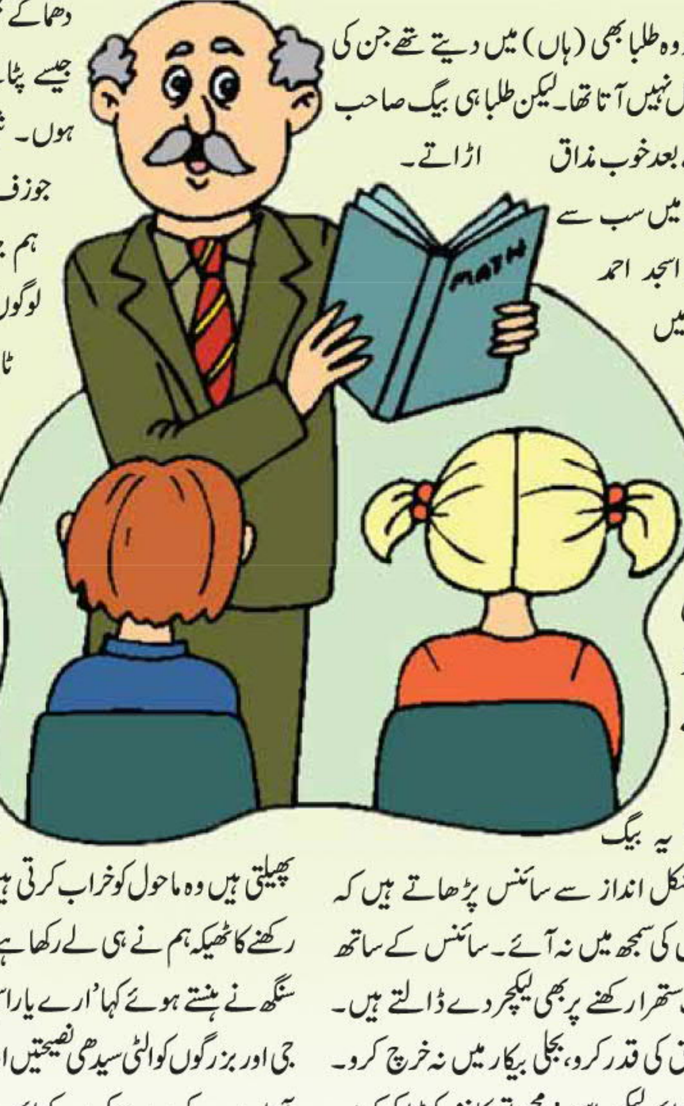

مذاق اڑانے والوں میں سب سے آگے 14 سالہ اسجد احمد ہوتے۔ نویں کلاس میں ہونے کے باوجود اسجد اور ان کے بعض دوستوں کی حرکتیں پرائمری اسکول کے طلبا جیسی تھیں اور سمجھ تو چھوٹے بچوں سے بھی گئی گزری۔

'ارے بھئی! یہ بیگ صاحب بھی اتنے مشکل انداز سے سائنس پڑھاتے ہیں کہ اچھے اچھے عقلمند لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے۔ سائنس کے ساتھ ساتھ ماحول کو صاف ستھرا رکھنے پر بھی لیکچر دے ڈالتے ہیں۔ پیڑ لگاؤ، پانی اور رزق کی قدر کرو، بجلی بیکار میں نہ خرچ کرو۔ دھول اور دھواں نہ اڑاؤ۔ لیکن اسجد! مجھے تو کاغذ، کوڑا کرکٹ، پولیتھین، ٹائر، سوکھے ہوئے پتے اور کپڑوں کی کترنیں جلانے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ میں اکثر اتوار کی شام کو گھر کے سامنے پھٹے ہوئے ٹائر اور پتے جلاتا ہوں لیکن پتہ نہیں پاپا، ممی، محلے والے اور ماسٹر صاحب ان چیزوں کو جلانے سے کیوں روکتے ہیں؟ کبھی کبھی تو ان کے جلنے سے پھٹ پھٹ اور دھماکے جیسی آواز بھی آتی ہے۔ جیسے پٹاخے اور گولے پھٹ رہے ہوں۔ شیرو سنگھ نے کہا تو فوراً جوزف نے جو اسجد اور شیرو کا بھی ہم جماعت تھا، کہا 'بھلے ہی تم لوگوں کو چاہے جتنا مزہ آتا ہو ٹائر اور پولیتھین جلانے میں لیکن مجھے تو ان کے جلانے کے بعد پھیلنے والی بدبو بہت بری لگتی ہے۔ میرے ڈاکٹر انکل کہتے ہیں کہ ان چیزوں کو نہیں جلانا چاہیے، کیونکہ اس سے جو دھواں نکلتا ہے اور جو گیس پھیلتی ہیں وہ ماحول کو خراب کرتی ہیں۔ لیکن کیا ماحول کو صاف رکھنے کا ٹھیکہ ہم نے ہی لے رکھا ہے؟ اسجد نے سوال کیا تو شیرو سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا 'ارے یار اسجد! ہمارے والدین، ماسٹر جی اور بزرگوں کو الٹی سیدھی نصیحتیں اور اُپدیش دینے میں ہی مزہ آتا ہے۔ یہ کرو، وہ نہ کرو، یہ کھاؤ وہ نہ کھاؤ، کم کھیلو، زیادہ پڑھو، ارے بھئی میں تو ان کے اپدیش سن سن کر پریشان ہوجاتا ہوں۔ ''لیکن بڑوں کی باتوں میں اچھی سیکھ بھی ہوتی ہے۔ ہمیں ان کی باتوں کو سنجیدہ سے سننا چاہیے اور جہاں تک ممکن ہو

ان پر عمل بھی کرنا چاہیے''۔ جوزف نے مشورہ دیا تو فوراً اسجد بول پڑے۔ جوزف! تم ابھی سے بڑے ہوگئے۔ ہمارے قصبے میں تو پہلے ہی سے بہت درخت ہیں پھر ہم شجرکاری کیوں کریں؟ جب ہمیں پتے، ٹایر اور پولیتھن کی تھیلیاں جلانے میں اور ان سے پھٹ پھٹ کی نکلنے والی آواز اچھی لگتی ہے تو ہم ماحولیاتی آلودگی اور پولیوشن پر بزرگوں کی تقریریں کیوں سنیں اور اگر سن بھی لیں تو ان پر عمل کرکے ایک دلچسپ کھیل اور مزے سے کیوں دور رہیں؟

''ٹھیک کہتے ہو اسجد! ہمیں وہی کرنا چاہیے جو دل کو اچھا لگے۔ بڑوں کو بڑبڑ کرنے کی عادت ہوتی ہے''۔ شیرو سنگھ کی بات سن کر جوزف نے منہ بناتے ہوئے کہا کہ 'تم چاہے کچھ بھی کہو اور کرو لیکن میں تو بڑوں کی بات پر غور کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ اچھا! اب میں تو چلتا ہوں، کیونکہ مجھے ہوم ورک بھی کرنا ہے اور اپنے گھر کے سامنے جو پودے میں نے لگائے ہیں انھیں پانی بھی دینا ہے۔ یہ سن کر شیر سنگھ نے کہا 'ٹھیک ہے میں بھی اب گھر جاتا ہوں۔ کل اسکول میں ملیں گے'۔ اسجد بھی دونوں سے ہاتھ ملا کر اپنے گھر کی طرف چل پڑتا ہے لیکن جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوتا ہے ویسے ہی امّی کے زور زور سے کھانسنے کی آواز آتی ہے۔ اس نے دیکھا کہ امّی چولہا میں پھونکنی سے پھونک مار مار کر آگ جلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

چولہے سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ لکڑی گیلی تھی اور اس سے بہت زیادہ دھواں نکل رہا تھا۔ امّی کی آنکھوں سے پانی نکل رہا تھا اور وہ زور زور سے کھانس بھی رہی تھیں۔ یہ حالت دیکھ کر اسے اپنی امی پر بہت ترس آیا۔ وہ ان کے پاس گیا اور ان سے پھونکنی لے کر چولہے میں سلگتی ہوئی لکڑیوں کو پھونکنے لگا۔ حالانکہ امی نے اسے روکا بھی اور کہا 'تم کیوں اپنے پھیپھڑے خراب کرتے ہو۔ اس کام کے لیے تو میں ہی بہت ہوں'۔ لیکن اس نے پھونکنی امی کے مانگنے پر بھی انہیں نہیں دی اور وہ چولہے میں رکھی ہوئی لکڑیوں کو جلانے کے لیے مسلسل پھونک مارتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے بھی کھانسی اٹھنے لگی اور آنکھوں سے دھوئیں کی وجہ سے پانی بھی نکلنے لگا۔ بڑی مشکل سے چولہا روشن ہوا اور امی نے چولہے پر توا رکھ کر روٹیاں سینکنی شروع کیں لیکن اس دوران ان کی کھانسی بھی جاری تھی۔ ابھی انھوں نے دس روٹیاں ہی سینکی تھیں کہ امی کو کھانسی کا زبردست دورہ پڑا اور وہ جس پیڑھی پر بیٹھی ہوئی روٹیاں بنا رہی تھیں اس سے بائیں جانب گر پڑیں۔ بلغم کے ساتھ ان کے منہ سے خون بھی آیا۔ اسی دوران اسجد کے ابو امجد بھی آگئے۔ اسجد نے فوراً اپنی امی کو سہارا دے کر پیڑھی پر بیٹھانے کی کوشش کی لیکن تب تک ابو آگئے اور انہوں نے پلنگ تک اپنی بیوی کو سہارا دے کر پہنچایا۔ اسجد نے امّی کا سر سہلایا اور ابو نے انہیں گلاس سے پانی پلایا تو

انہوں نے آنکھیں کھولیں۔

امی! اب کیسی طبیعت ہے؟ اسجد نے غمگین آواز میں پوچھا تو انہوں نے کمزور اور نقاہت بھری آواز میں جواب دیا 'ٹھیک ہوں۔ بیٹا تم اور تمہارے ابّو دونوں کھانا کھالو۔ مجھے تو بھوک نہیں ہے'۔

''کھانا تو بعد میں کھالیں گے۔ پہلے تمھیں ڈاکٹر کو دکھلا دیں، کیونکہ آج تمہیں بلغم کے ساتھ خون بھی آیا ہے''۔ یہ کہہ کر ابّو اسجد سے مخاطب ہوئے۔ جاؤ بیٹا۔ چوک سے رکشہ لے آؤ، کیونکہ تمھاری امی کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے۔ یہ سن کر اسجد تیزی سے گھر سے باہر نکلا، دوڑتا ہوا چوک پر گیا اور رکشہ لے کر گھر آ گیا۔ دراصل ہر بچے کی طرح اسے بھی اپنی امی سے بہت زیادہ محبت ہے۔ اس لیے امی کو خون تھوکتے ہوئے دیکھ کر وہ بہت گھبرایا بھی اور دکھی بھی ہوا۔ وہ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے امی کی طبیعت ٹھیک ہوجانے کی دعا بھی مانگ رہا تھا۔ گھر پہنچ کر اس نے ابو کو رکشہ آنے کی اطلاع دی تو انہوں نے امی کو سہارا دے کر چارپائی سے اٹھایا۔ اسجد نے بھی دوسری طرف سے امی کا ہاتھ پکڑا۔ دونوں آہستہ آہستہ انہیں گھر کے باہر لے گئے۔ ابو نے باہر سے دروازہ پر تالا لگایا اور تینوں رکشہ پر سوار ہوکر ڈاکٹر مہیش کی کلینک پر پہنچ گئے۔ ڈاکٹر مہیش پھیپھڑوں اور سینے سے متعلق بیماریوں کے ماہر ڈاکٹر ہیں۔ کلینک پر پہنچ کر دونوں باپ بیٹے مریضہ کو کلینک کے اندر لے گئے اور باہر پڑی ہوئی ایک بینچ پر اسجد نے امی کو لیٹنے میں مدد کی، جبکہ ابو رکشہ والے کو پیسے دینے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر مہیش نے اس کی امی کو چیک اپ کے لیے اپنے کیبن میں بلوایا۔ ان کے ابو امی کو سہارا دے کر ڈاکٹر کے کیبن میں لے گئے۔ ڈاکٹر نے امی کا اچھی طرح معائنہ کیا اور ان کی نبض، سانس وغیرہ کو چیک کرنے کے بعد کہا۔ ان کے پھیپھڑوں پر اثر ہے۔ دراصل آج سارے شہر میں اتنا پولیوشن (آلودگی) ہے کہ وہ ہر انسان کے پھیپھڑوں کو متاثر کرتی ہے۔ کیا آپ کی مسز لکڑی سے جلنے والے چولہے پر کھانا بناتی ہیں؟ ابو نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا 'جی ڈاکٹر صاحب! ابھی ہمارے گھر میں گیس کا چولہا نہیں ہے'۔

دراصل دھوئیں سے پھیپھڑے پر برا اثر پڑتا ہے۔ چولہا پھونکتے ہوئے بھی دھواں نکلتا ہے، پھر سڑکوں پر ڈیژل کی گاڑیوں سے بھی خراب دھواں نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ لوگ خاص طور پر یہ بچے یوں ہی سڑک یا گلیوں میں کوڑا کرکٹ، کٹے پھٹے ٹائر اور سوکھے پتّے و پنّی جلا کر ماحول کو خراب کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ ہمیں چیزوں کو جلانے سے بچوں کو خاص طور سے روکنا چاہئے، کیونکہ دھوئیں سے انہیں بھی کھانسی ہوسکتی ہے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے اپنے کمپاؤنڈر سے کہا کہ وہ ایکسرے کرنے کے لیے اسجد کی امی کو لے جائیں۔ کمپاؤنڈر اور ابّو مریضہ کو ایک خاص کمرہ کی طرف لے گئے جہاں ایکسرے کی مشین لگی ہوئی تھی۔ اسجد ڈاکٹر کی کیبن میں ہی رک گیا تھا کیونکہ ڈاکٹر مہیش نے کہا تھا کہ بچوں کو ہم ایکسرے والے کمرہ میں نہیں جانے دیتے۔ بات چیت کے دوران ڈاکٹر مہیش نے اسجد سے دریافت کیا 'کس کلاس میں پڑھتے ہو' اسجد نے جواب دیا 'جی! میں نویں کلاس میں پڑھتا ہوں'۔

'گڈ! لیکن تم اور تمہارے دوست تو گلیوں میں کوڑا اور پنّی وغیرہ نہیں جلاتے؟ ڈاکٹر مہیش کا یہ سوال سن کر اسجد نے شرمندگی کے احساس سے اپنا سر جھکا لیا اور آہستہ سے جواب دیا 'سر! میں بھی دوسرے شرارتی لڑکوں کے ساتھ مل کر کبھی کبھی

گلی میں کوڑا کرکٹ اور کٹے پھٹے ٹائر جلا کر مزہ لیا کرتا تھا لیکن ڈاکٹر صاحب آج آپ کی اچھی باتیں سن کر اور امی کی حالت کو دیکھ کر میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب آئندہ میں چیزوں کو نہیں جلایا کروں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا پیغام میں اپنے دوستوں تک بھی پہنچاؤں گا جو ماحول کو ٹائر اور پنی وغیرہ جلا کر آلودہ کرتے ہیں۔ بس ڈاکٹر صاحب میری امی کو اچھا کردیجیے۔ یہ کہہ کر اسجد رونے لگا تو ڈاکٹر صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر تسلی دیتے ہوئے کہا بیٹے! امی کو تو میں دوائیں دے کر ٹھیک کروں گا لیکن ہم سب کو خاص طور پر تم جیسے بڑے بچوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ ماحول خراب کرکے ہم اپنی ہی نہیں اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کی زندگی میں زہر گھول رہے ہیں۔ اس لیے بیٹے دھوئیں اور خراب ہوا سے بچو، صاف ہوا میں رہو اور صاف ہوا کے لیے پیڑ، پودے، پھلواریاں اور بیلیں اپنے گھر کے آنگن اور کھیتوں میں لگاؤ۔

''ڈاکٹر صاحب اب میں ایسا ہی کروں گا۔ ہمارے گھر کا آنگن بہت بڑا ہے۔ امی نے نیم کا پیڑ لگایا تھا لیکن میں نے شرارت میں اسے اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ ہمارے سائنس ٹیچر بیگ صاحب بھی ہمیں بہت سمجھاتے ہیں کہ دھواں اور دھول نہ اڑایا کرو۔ خوب پیڑ پودے لگاؤ لیکن ہم جیسے کچھ ناسمجھ اور شرارتی لڑکوں کی سمجھ میں اچھی باتیں کم ہی آتی ہیں۔'' اسجد کی بات سن کر ڈاکٹر صاحب نے کہا۔

''اب تم نے اپنی امی کی خراب حالت دیکھ لی ہے۔ اب تو تمہاری سمجھ میں آجانا چاہئے کہ کوڑا کرکٹ، پتے، پنّی اور پرانے ٹائر ٹیوب جلانے سے ماحول زیادہ خراب ہوجاتا ہے، جبکہ پیڑ پودے لگا کر صاف ہوا ملتی ہے جو ہمیں صحت مند رکھتی ہے اور بیماریوں سے بچاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب یہ سمجھا ہی رہے تھے کہ کمپاؤنڈر اور اسجد کے ابّو امّی کو سہارا دے کر ایکسرے روم سے باہر لے آئے کیونکہ ایکسرے ہوچکا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے امی کو کرسی پر بٹھایا۔ ایک بار پھر ان کا چیک اپ کیا اور کمپاؤنڈر سے ایک گلاس پانی لانے کے لیے کہا۔ پانی آنے کے بعد انہوں نے امی کو تین گولیاں کھانے کو دیں اور دواؤں کا ایک پیکٹ دیتے ہوئے دوا کھانے کا وقت اور طریقہ بتلایا۔ ابو نے ڈاکٹر صاحب کو فیس اور دوا کے پیسے دیے اور پھر وہ امی کو رکشہ میں بٹھا کر گھر لے آئے۔ راستے میں ابو نے کہا 'اب کل سے میں گیس کا سیلنڈر اور چولہا لے آؤں گا تاکہ تمہاری امی دھوئیں سے بچی رہیں''۔

''میں بھی کل گھر کے آنگن میں نیم کا پودا اور پھلواریاں لگاؤں گا۔ ابّو اب میری سمجھ میں آگیا کہ ہمیں دھواں اور دھول سے خود بھی بچنا چاہیے اور دوسروں کو بھی بچانا چاہیے''۔ شاید اسجد تمھاری سمجھ میں اب یہ بات بھی آگئی ہے کہ پیڑ پودے ہمیں تازہ اور صاف ہوا دیتے ہیں جو ہمیں بیماریوں سے بچاتی ہے۔ ابّو نے کہا۔

جی ابو! یہ بات بھی اب میری سمجھ میں آگئی ہے اور میں اسے اپنے دوست شیر سنگھ کو بھی سمجھاؤں گا کہ وہ بھی کوڑا کرکٹ اور ٹائر ٹیوب جلا کر ماحول کو خراب نہ کرے۔ اسجد کی بات سن کر ابو نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا 'اب میرے لال کو سمجھ آگئی ہے'۔ جی ابو میں سچائی کو سمجھ گیا ہوں، اسجد نے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔

■

Asad Raza
97-F, DDA Flats, Sector-7
Jasola, New Delhi-110025

■ رونق جمال

یوگ کرشمہ

پیارے بچو! آج میں آپ کو ایک یوگی کی کہانی سنانے جارہا ہوں۔ ہاں یوگ صحت کے لیے نہایت مفید ہے۔ یوگ کرنے سے صحت اچھی رہتی ہے۔ بیماریاں دور بھاگتی ہیں۔ تندرستی خوشی خوشی ہمارے گلے لگ جاتی ہے اور ہم بے فکر صحت مند زندگی گزار سکتے ہیں۔ ڈاکٹر دوائی پریشانیاں ہم سے دور رہتی ہیں۔ اچھی صحت کے لیے روز صبح یوگ کرنا چاہیے۔ جس طرح ہم ہر روز کھاتے پیتے ہیں سوتے جاگتے ہیں بالکل اسی طرح یوگ بھی ہماری زندگی میں شامل ہونا چاہیے۔ پھر دیکھنا آپ تندست رہو گے تو پڑھائی میں بھی اول رہو گے اور پڑھائی میں آگے رہو گے تو زندگی کے میدان میں ہر جگہ کامیاب رہوگے۔ اب تو ہمارے وزیراعظم جناب نریندر مودی صاحب نے بھی یوگ کی اہمیت کو لے کر آواز اٹھائی ہے جو دنیا کے کونے کونے میں گونج اٹھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اقوام متحدہ نے بھی یوگ کو تندرستی کے لیے لازمی قرار دیا ہے اور اکیس جون کو یومِ یوگ منا کر ساری دنیا کو یوگ کی اہمیت سے روشناس کرایا گیا۔ سب سے خوشی کی بات یہ ہے کہ یوگ خالص ہندوستانی ورزش ہے جیسے ہزاروں سال پہلے ہمارے رشی منیوں نے ایجاد کیا تھا۔ تو پھر آؤ یوگ کرو آگے بڑھو خوب پڑھو۔!!!

یہ آج سے پانچ سال پہلے کی بات ہے۔ میرے بڑے بیٹے کی شادی کی تقریبات کا سلسلہ چل رہا تھا۔ گھر میں خوشی کا ماحول تھا۔ تمام رشتہ دار آئے ہوئے تھے۔ ہلدی کی رسم سے فارغ ہوتے ہی اچانک میری کمر میں دونوں جانب شدید درد ہونے لگا۔ دیکھتے دیکھتے درد شدید ہوگیا اور میں مچھلی کی مانند تڑپنے لگا۔ آناً فاناً مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا۔ ڈاکٹر نے چیک کر کے کہا کہ یہ گردوں کا درد ہے اس لیے میں اتنا تڑپ رہا ہوں۔ ڈاکٹر نے دو چار انجکشن لگائے دوا پلائی گولیاں کھلائی اور نیند کا انجکشن لگا کر مجھے سلا دیا صبح ہوتے ہوتے میں سے نجات پا چکا تھا۔ درد اور الٹیوں کی وجہ سے مجھے کافی تکان ہوگئی تھی اور میں کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ چونکہ گھر میں شادی کی

تقریبات چل رہی تھی اور دو روز بعد بارات لے جا کر بیٹے کا نکاح کروا کر بہو کو لے کر آنا تھا ایسے میں ڈاکٹر سے اجازت لے کر گھر آ گیا۔ ڈاکٹر نے کافی دوائیاں اور انجکشن دیتے ہوئے کہا کہ ضرورت پڑنے پر ان کا استعمال کیا جائے۔ میرے گھر لوٹ آنے کی وجہ سے شادی کی رونق دوبارہ لوٹ آئی تھی۔ مہندی کی رسم کے بعد کھانے سے فارغ ہو کر خواتین تمام رات مہندی لگواتی رہی۔

صبح ناشتے سے فارغ ہو کر بارات روانہ ہو گئی۔ میرے لیے الگ کار کا انتظام کیا گیا تھا جس میں میرے چچا زاد بھائی جو ڈاکٹر ہیں اور میرے خاص دوست احمد بھائی کو میرے ساتھ سوار کروایا گیا۔ میری دیکھ بھال کی ذمہ داری ان دونوں کے ذمہ لگا دی گئی۔

بارات چار بجے تک جائے نوشہ پہنچی مقررہ وقت پر بعد نماز مغرب نکاح کی رسم ادا کر دی گئی۔ نکاح کے فوراً بعد مجھے ڈاکٹر صاحب اور احمد بھائی کو کھانے سے فارغ کروا کر واپسی کے سفر پر روانہ کر دیا گیا۔ تقریباً رات دو بجے ہم تینوں گھر پہنچ کر سو گئے۔ آنکھ کھلی تو بارات لوٹ چکی تھی۔ دلہن کو گھر کے اندر لانے کی رسم ادا کی جا رہی تھی۔ رات کی جاگنے اور سفر کی تھکان کی وجہ سے سب کے سب دلہن ڈولیا کو حجلہ عروسی میں پہنچا کر سونے چلے گئے۔ میں احمد بھائی اور ڈاکٹر صاحب تیار ہوئے اور ڈاکٹر کے پاس دواخانے پہنچے ڈاکٹر نے دوبارہ جانچ کرنے کے بعد سونوگرافی اور ایکسرے کروانے کا مشورہ دیا۔ ڈاکٹر کے دیے گئے پتے پر جا کر سونی گرافی اور ایکسرے کروا کر ہم گھر آ گئے۔ پانچ بجے ہم لوگ رپورٹ لے کر ڈاکٹر کے پاس گئے۔ ڈاکٹر نے رپورٹ دیکھ کر کہا کہ میرے گردے کمزور ہو گئے ہیں اس لیے پوری طرح کام نہیں کر رہے ہیں جس کی وجہ سے شدید درد ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نے دوائیں لکھ دیں اور کچھ پرہیز وغیرہ بتایا اور آرام کرنے کی نصیحت کی۔

میں آرام بھی کرتا رہا دوائیں بھی پابندی سے کھاتا رہا اور پرہیز بھی شدت سے کرتا رہا لیکن میری تکلیف بڑھتی ہی گئی۔ دو سالوں کے درمیان مجھے کئی بار دواخانے میں داخل ہونا پڑا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اب میرے گردے کافی کمزور ہو چکے ہیں اور خراب بھی!! اس لیے مجھے جلد سے جلد کم از کم ایک گردہ بدل دینا چاہیے۔ اول گردے کا مسئلہ دوم میں نہیں چاہتا تھا کہ اِس عمر میں گردہ بدلواؤں اس لیے میں دواؤں پر تکیہ کیے ہوئے تھا۔ قریبی دوستوں اور قریبی رشتہ داروں کی صلاح پر میں حکیموں ویدوں سے بھی علاج کروا رہا تھا۔ یونانی ہومیوپیتھی اور نا جانے کیا کیا دوائیں کھا رہا تھا۔ کچھ دوستوں نے مجھے یوگا کرنے کی صلاح دی۔ بیگم نے رام دیو مہاراج کے یوگ کی سی ڈی بھی لا کر دی لیکن میں نے یوگ پر کوئی خاص توجہ نہیں دیا۔ اِس دوران میں ایک پوتی کا دادا بھی بن گیا

تھا۔ میرا زیادہ تر وقت گھر میں گزرتا تھا اس لیے پوتی شہناز کا وقت میرے پاس گزرتا تھا۔ ایک ساتھ زیادہ وقت ساتھ ساتھ گزارنے کی وجہ سے دادا پوتی میں اچھی خاصی دوستی ہوگئی تھی۔ اب وہ چار سال کی ہوگئی تھی اور اسکول جانے لگی تھی کے جی ون کی طالبہ ہونے کی وجہ سے وہ کافی باتونی بھی ہوگئی تھی۔ اسکول سے لوٹتے ہی وہ سیدھے میرے پاس آتی اسکول میں گزرے وقت کی روداد سناتی اور بستہ رکھ کر ماں کے ساتھ چلی جاتی کپڑے تبدیل کرتی ناشتہ کرتی اور ہوم وَرک کرنے میرے پاس آجاتی اس کا روز کا یہی معمول تھا۔

چھ مہینے پہلے شہناز اسکول سے آئی خاموشی سے اسکول بیگ کو جگہ پر رکھا دوڑ کر ماں کے پاس گئی اور کپڑے بدل کر ناشتہ کیے بغیر میرے پاس لوٹ کر آئی۔ میرے سامنے پالتی مار کر بیٹھ گئی اور یوگا کرنے لگی... اُسے یوگا کرتے دیکھ کر میں نے پوچھا۔

''شہناز...! یہ کیا کر رہی ہو بٹیا—''

''دادا جان اِسے یوگا کہتے ہیں۔ یوگا کرنے سے صحت اچھی رہتی ہے۔ دماغ چست رہتا ہے۔ دماغ چست ہونے کی وجہ سے تیزی سے کام کرتا ہے جس کی وجہ سے نمبر اچھے ملتے ہیں۔ دادا جان آپ بھی یوگا کیا کرو... آپ کے بال کالے ہوجائیں گے... اور ہاں آپ کے گردے بھی ایک دم اچھے ہوجائیں گے—!'' شہناز نے یہ ساری باتیں بنا رکے ایک سانس میں کہہ کر مجھے حیرت میں ڈال دیا تھا۔

''شہناز... شہناز...!! یہ سب کون بتاتا ہے تمھیں—''

''دادا جان یہ سب مجھے میری یوگ ٹیچر بتاتی ہے... میں نے ہی اُس سے آپ کے گردوں کی خرابی کی بات کی تھی... ٹیچر نے مجھ سے کہا ہے دادا جی سے بھی یوگا کرواؤ...!! دادا جان کریں گے نا آپ یوگا—!''

''ہاں... ہاں... کروں گا... ابھی تم کرو...!!'' کہہ کر میں نے شہناز سے پیچھا چھڑایا اور اُسے یوگا کرتے ہوئے حیرت سے دیکھتا رہا...! روز شہناز کو یوگا کرتے دیکھ کر اور اس کی ضد کہ دادا جان آپ بھی یوگا کرو...!! گردے اچھے ہوجائیں گے...! سن سن کر میرے دل نے کہا کہ میں بھی یوگا کروں —!! اور میں شہناز کے ساتھ یوگا کرنے لگا۔ بعد میں میں نے یوگ کے ایک ماہر سے بھی رابطہ کیا اور ان کے مشورے پر بھی عمل کیا۔ کچھ حکیمی دوائیں بھی کھانی شروع کیں اور یوگا کرتا رہا۔

لگاتار یوگ کرنے کی وجہ سے میری صحت بہتر ہوگئی۔ کمزوری دور ہوگئی اور میں پہلے کی طرح چاق و چوبند ہوگیا تو ایک روز میں ڈاکٹر سے ملاقات کرنے گیا۔ ڈاکٹر نے میری مکمل جانچ کی اور حیرت سے کہا جناب آپ کے گردے تو اب ایک دم اچھے ہوگئے ہیں اور ایک صحت مند آدمی کے گردوں کی طرح کام کر رہے ہیں۔ اس لیے اب آپ پوری طرح صحت مند ہوگئے ہیں۔ ڈاکٹر کے الفاظ سن کر مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔ میں بے انتہا خوش تھا۔ گھر آکر میں نے شہناز کو گود میں اٹھالیا اور بے انتہا پیار کرنے لگا۔ آج میں اپنی پوتی شہناز کی وجہ سے گردوں کے مرض سے نجات پاچکا تھا۔ وہ مجھے یوگا کرنے پر مجبور نہ کرتی تو شاید میں آپ کو یہ کہانی سنانے کے لیے زندہ بھی نہ رہتا.....!!

■

Ronaq Jamal
'Kainat' Street No.9, New Adarsh Nagar
Durg 491001 (Chhattishgarh)

اقبال برکی

طوطا سبز کیسے ہوا؟

جادوگر کی جان طوطے میں تھی۔ طوطے کو تیر لگتے ہی جادو گر بھی مر گیا۔ نانی کی ادھوری کہانی آج ختم ہوتے ہی چھوٹی گڑیا نے اپنی توتلی زبان میں سوال کیا، ''نانی توتے ہلے کیوں ہوتے ہیں؟''

نانی بولی، ''بیٹا کل بتاؤں گی۔'' اس کی بھی ایک کہانی ہے کہ طوطے سبز رنگ کے کیوں ہوتے ہیں۔ دوسرے دن نانی کے اردگرد بچے جمع تھے۔ نانی نے باری باری سب کو دیکھا۔ پان کا ڈبہ اپنے دائیں گھٹنے کے نیچے دبایا اور بولنا شروع کیا۔

''طوطے سبز کیوں ہوتے ہیں؟ اس کی بھی ایک لمبی کہانی ہے۔ یہ کہانی جب میں چھوٹی سی یعنی تمھاری عمر کی تھی تو مجھے میری نانی نے سنائی تھی اور اس کو اس کی نانی نے اور اس کی نانی کو اس کی نانی نے اور اس طرح میری پچھلی ساتویں پڑنانی کو اس کے دادا نے بتایا تھا کہ طوطے سبز کیوں ہوتے ہیں۔'' نانی نے اپنے منہ سے کچلے ہوئے پان کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نکالا، اسے انگلی کی پور پر رکھا اور پھر نیچے گرا دیا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک نظر سب کو دیکھا اور بولنا شروع کیا۔

''یہ اس زمانے کی بات ہے جب طوطے سبز نہیں ہوتے تھے۔ وہ مختلف رنگوں کے بلکہ رنگ برنگے ہوتے تھے جن کی وجہ سے جنگل میں رنگ ایک طرف سے دوسری طرف اڑتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ جنگل طوطوں کی چہکار سے گونجتا لیکن ان کے رنگوں کی وجہ سے رنگین بھی ہو جاتا تھا۔

مگر وہ کہتے ہیں نا کہ لالچ بری بلا ہے۔ اس بلا نے ایک مرتبہ ایک طوطے کو بھی آ گھیرا اور وہ بے چارہ ایسا برا پھنسا کہ اس کے بعد سے طوطوں کا رنگ ہی بدل گیا۔ ہوا یوں کہ ایک جنگل میں جہاں بہت سے رنگ برنگے طوطے رہتے تھے وہاں ان کے ساتھ اور بھی بہت سے دوسرے پرندے رہتے تھے۔ اسی جنگل میں ایک بہت اونچے اور گھنے پیڑ پر ایک کوئل بھی رہتی تھی۔ اس کی ایک طوطے کے ساتھ بڑی دوستی تھی مگر اکثر ایسا ہوتا کہ کوئل صبح سویرے بیدار ہوتی جنگل میں دو ایک بار کوکتی اور پھر سے اڑ جاتی اور ایسی اڑتی کہ طوطا اسے دیکھتا رہ جاتا۔ کوئل نہ جانے کہاں غائب ہو جاتی۔ طوطا دن بھر جنگل میں ادھر ادھر بھٹکتا۔ کئی بار اس نے کوئل کو جنگل میں تلاش کرنے کی کوشش بھی کی لیکن ہر مرتبہ اسے ناکامی ہی ہوئی۔ جب وہ شام کو لوٹتی تو کچھ دیر طوطے کے پاس بیٹھتی۔ کچھ اپنی کہتی کچھ اس کی سنتی اور پھر جب اندھیرا نیچے اترنے لگتا تو پیڑ کی اونچی شاخ پر چلی جاتی اور اپنے پروں میں گردن ڈال کر آنکھیں موند لیتی۔ طوطے نے کئی بار چاہا کہ وہ کوئل سے پوچھے کہ وہ آخر دن بھر کہاں غائب رہتی

گوپھن کی مار کے ڈر سے ادھر جانا ہی چھوڑ دیتے یا پھر کبھی کسی کا من چاہا تو وہ جان کی بازی لگا دیتا۔

''اس لیے تو میں کہوں کہ آج تمھاری آواز میں شہد جیسی مٹھاس کیوں ہے!'' طوطا بولا۔ اپنے لیے راستہ ہموار کرنے کے لیے اس نے چاپلوسی کا پہلا تیر چھوڑا اور اس کی قسمت کہ اس کا تیر نشانے پر جا بیٹھا۔ اس نے کوئل سے پھر پوچھا، ''کوئل رانی، یہ کچے پکے آم تمھیں ملے کہاں سے؟''

''اسی باغ میں جہاں میں روز جاتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''ارے تو وہ باغ ہے کہاں؟ کسی دن مجھے بھی لے چلو وہاں۔'' طوطا بولا۔

ہے۔ ایک دن اسے یہ موقع مل ہی گیا۔ ایک شام جب کوئل واپس آئی تو بڑی چہک رہی تھی۔ اس نے کئی بار اپنی میٹھی کوک سے جنگلی پرندوں کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ وہ بڑی خوش تھی۔ کوکتی تھی تو گویا خوشی اس کی کوک سے پھوٹ پڑتی تھی۔ ایک بار جب وہ ذرا چپ ہوئی تو طوطے نے پوچھا، ''آج بڑی خوش ہو؟''

کوئل بولی، ''ہاں، آج کچے آموں کے ساتھ پکے آم جو کھائے ہیں!''

کچے پکے آموں کے بارے میں سن کر طوطے کے منہ میں پانی بھر آیا۔ آموں پر تو وہ بھی جان دیتا تھا لیکن جب بھی کسی آم کے پیڑ پر جاتا اس کے دوسرے ساتھی بھی اس درخت پر ٹوٹ پڑتے اور جتنا آم کھاتے اُس سے زیادہ شور کرتے اور پھر ہوتا یہ کہ آموں کے رکھوالے ان کا شور سن کر دوڑے آتے اور ایسا گوپھن چلاتے کہ اکثر کوئی نہ کوئی زخمی ہو جاتا۔ طوطے

''ہاں ضرور۔ تمھیں تو وہاں بہت مزہ آئے گا، کیونکہ آموں کے اسی باغ کے بغل میں امرود کا بھی ایک بڑا سا باغ ہے۔ تم جانتے ہو امرود مجھے بالکل پسند نہیں ہیں۔ بڑا واہیات پھل ہے۔ ایسے چھوٹے چھوٹے اور سخت بیجوں والے پھلوں سے مجھے کوفت ہوتی ہے، لیکن جب کچھ نہ ملے تو....'' کوئل کھلکھلائی۔ ایک بار پھر اس کی کوک سے جنگل گونج اٹھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر بولی، ''پیارے طوطے تمھیں آموں کے باغ میں لے چلوں مگر ایک مجبوری ہے اور ایسی کہ اس میں کسی کی بھی جان تک جاسکتی ہے!''

طوطا بولا، ''کیسی مجبوری؟''

کوئل بولی، ''میں تم کو لے کر آموں کے باغ میں پہنچوں گی اور تمھارے پیچھے جنگل کے یہ سارے طوطے بھی وہاں پہنچ جائیں گے اور پھر ایسا شور کریں گے کہ رکھوالا بے دھڑک گوپھن چلاتا چلا جائے گا۔ اگر کوئی پتھر مجھے ہی لگ گیا تو۔ نیکی

کر دریا میں ڈال! نا بابا! مجھے ڈر لگتا ہے۔ میں اکیلی ہوتی ہوں تو رکھوالا میری طرف توجہ تک نہیں دیتا۔ بلکہ اس کے بچے میری آواز پر شور کرتے ہیں، جب وہ میری نقل اتارتے ہیں تو وہ خوش ہوتا ہے۔ اس طرح میری ابھی تک چل رہی ہے۔ لیکن میں تمھیں بھی اپنے ساتھ لے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ نا بابا! میں تمھیں نہیں لے جاسکتی۔'' کہتے کہتے کوئل نے ایک بار جھرجھری سی لی اور خاموش ہوگئی۔

کوئل کا انکار سن کر طوطا اداس ہوگیا۔ اس کا اترا ہوا اداس چہرہ دیکھ کر کوئل کو بھی صدمہ ہوا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ وہ فوراً طوطے سے بولی، ''ایک ترکیب ہے، اگر تم راضی ہو تو تم بھی آموں کے باغ میں پہنچ سکتے ہو!''

''وہ کیا؟'' طوطا تڑپ کر بولا۔

''آموں کے باغ سے دور بستی کے نزدیک ایک رنگ ریز رہتا ہے۔ وہ روزانہ بہت سارنگ بہت سی چیزوں پر چڑھاتا ہے۔ اس کے پاس رنگوں کی بڑی بڑی ٹنکیاں ہیں۔ اس سے کہہ کر تم اپنے اوپر کوئی دوسرا رنگ چڑھا لو۔ تمھارا سارا رنگ چھپ جائے گا۔ ایک رنگ ہونے سے تمھارے دوسرے ساتھی پہچان نہ سکیں گے اور تم باغ میں جتنا چاہو آم کھا لو اور واپس آجاؤ۔''

ترکیب سن کر طوطا اچھل پڑا۔ وہ بولا، ''بالکل بالکل! بالکل ایسا ہی کرتے ہیں۔ کل تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو اور رنگ ریز سے ملاؤ۔''

''ٹھیک ہے۔ چلو سو جاؤ۔ کل ذرا جلدی تیار ہوجانا۔'' کوئل بولی اور اُڑ کر ایک اونچی شاخ پر جا بیٹھی۔

دوسرے دن دونوں سویرے ہی رنگ ریز کے یہاں جا پہنچے۔ دونوں نے ایک املی کے پیڑ پر سے رنگ ریز کو دیکھا۔ وہ اپنے رنگوں کو کبھی ایک ٹنکی میں رکھتا تو کبھی دوسری میں۔ کبھی کسی رنگ کو نکال بڑے سے کڑھے میں ڈالتا تو پھر کوئی دوسرا رنگ اس میں ملاتا۔ دونوں دیر تک اسے دیکھتے رہے۔ پھر آخر دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ آنکھوں آنکھوں میں باتیں ہوئیں۔ کوئل نے پلکیں جھپکائی، طوطے نے اپنے آنکھیں مٹکائی اور پھر کوئل وہاں سے اڑ کر رنگ ریز کے قریب باندھے بنس کے ایک چھپر پر جا بیٹھی۔ رنگ ریز نے اسے دیکھا۔ کچھ دیر دیکھتا رہا پھر گھوم کر اپنے کام میں لگ گیا۔ اسی وقت کوئل چہکی۔ وہ بولی، ''اے رنگ ریز! تم تو بڑے اچھے اور ہنر والے ہو۔ کیسے خوبصورت رنگ نکالتے ہو! تمہارے ہاتھ میں تو جادو ہے۔ کیا تم میرا ایک چھوٹا سا کام کردو گے؟''

رنگ ریز اپنی تعریف سن کر پہلے ہی پھول گیا تھا۔ وہ کوئل

سے بولا، ''کیوں نہیں۔ بالکل کردوں گا۔ بولو کیا کام ہے تمھارا؟''

کوئل بولی، ''میرا ساتھی اپنے رنگوں سے پریشان ہے۔ اس پر کوئی ایک رنگ چڑھا دو۔'' اس نے اشارے سے طوطے کو اپنے نزدیک بلایا۔

رنگ ریز بولا، ''یہ تو بہت چھوٹا سا کام ہے۔ میں ابھی کیے دیتا ہوں۔''

کوئل نے طوطے کو اشارہ کیا۔ طوطا اڑا لیکن رنگ ریز کے قریب جانے کی بجائے اسی چھپر پر دوبارہ بیٹھ گیا۔ رنگ ریز بولا، ''اگر تم پر سبز رنگ چڑھا دوں تو کیسا رہے گا اور پھر میرے پاس ابھی یہی رنگ تیار بھی ہے۔ دوسرا رنگ بنانے میں وقت لگے گا۔''

کوئل بولی، ''کوئی بات نہیں۔ ہرا رنگ بھی چلے گا بلکہ بہت اچھا رہے گا۔ تم جلدی سے اس پر یہی رنگ چڑھا دو۔''

رنگ ریز نے طوطے کو قریب بلایا مگر طوطا اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس نے پھر اسے بلایا۔ تب کوئل بولی، ''اسے تمہارے کتے سے ڈر لگتا ہے۔''

رنگ ریز ہنسا اور بولا، ''آ جاؤ۔ یہ کچھ نہیں کرے گا۔ بہت سیدھا اور وفادار ہے۔'' پھر تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی کتے کو ایک طرف ہانکتے ہوئے بولا، ''چل جا ابھی یہاں سے۔ ان کو تجھ سے ڈر لگتا ہے۔ جا مہمانوں کے لیے اتنا تو کرنا ہی پڑتا ہے۔''

اس کا کتا وہاں سے اٹھا اور دور چلا گیا۔ طوطا کتے کے جانے کے بعد اپنی جگہ سے اڑا اور رنگ ریز کے قریب جا بیٹھا۔ رنگ ریز نے اس کی گردن سے ایک ڈوری باندھی اور بولا، ''دیکھو، میں تمھیں اس کڑھاوے میں ڈبکی دوں گا۔ تم اپنی آنکھوں کو بند رکھنا۔ کچھ دیر تمھیں اندر رکھوں گا پھر باہر نکال دوں گا۔ تمھارا کام ہو جائے گا۔''

کوئل بولی، ''رنگ ریز تمہارا شکریہ! جیسا تمھارا کام ہے ویسا کرو۔ تمھارے ہاتھ میں بڑی صفائی ہے۔'' اس نے ایک بار پھر اس کی تعریف کی۔

رنگ ریز نے طوطے کو ڈوری سے لٹکایا اور اپنے رنگ کے بڑے سے کڑھاؤ میں طوطے کو ڈبکی دیا۔ طوطا رنگ میں ڈوبا رہا۔ کچھ دیر بعد رنگ ریز نے ڈوری باہر نکال لی۔ طوطا بھی باہر آ گیا۔ اس کے سارے پر سبز اور بالکل سبز ہو چکے تھے۔ رنگ ریز نے اس کی گردن سے اپنی ڈوری کھول لی۔ ڈوری کی وجہ سے وہاں رنگ نہ چڑھا اور گردن پر ڈوری کی جگہ سیاہ رہ گئی۔

طوطا کوئل کے ساتھ آم کے باغ میں گیا اور پھر روزانہ وہ اس کے ساتھ جاتا رہا۔ رنگ ریز کا رنگ اس پر ایسا چڑھا کہ جب اس کی اولادیں ہوئیں تو وہ بھی اس کے جیسی سبز تھیں اور آج تک طوطے ویسے ہی پیدا ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

نانی نے ایک نظر بچوں کو دیکھا۔ پان کے ڈبے کو اپنے پاؤں کے نیچے سے نکالا اور بولی، رنگ ریز کی ڈوری ابھی تک طوطوں کی گردن میں پڑی ہوئی ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ طوطے کی گردن میں سیاہ حلقہ ہوتا ہے۔

گڑیا بولی، ''مگر نانی، طوطے کی چونچ تو لال ہوتی ہے!''

نانی بولی، ''ہاں بیٹا رنگ ریز کا رنگ اس کے پروں پر تو رہ گیا لیکن چونچ اور پیروں سے اتر گیا۔ یہی وجہ ہے کہ چونچ اور پاؤں تو لال ہوتے ہیں لیکن پَر سبز ہی ہوتے ہیں۔

■

Dr. Iqbal Berki
155, MHADA, Noor Bagh
Malegaon - 423203, Distt.: Nasik, Maharashtra

سنبل افشاں

انسان اور شیر

ایک دفعہ کی بات ہے! ایک جنگل میں ایک شیر رہتا تھا اس شیر کا ایک بیٹا بھی تھا جو بہت ہی خونخوار، پھرتیلا اور بہادر تھا ساتھ ہی اپنے باپ کا بڑا فرمانبردار بھی تھا۔ ایک دن جب بوڑھے شیر کا آخری وقت آ گیا تو اس نے اپنے بیٹے سے ایک آخری نصیحت کی کہ بیٹے ہم جنگل کے راجا ہیں مگر انسان پوری دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ اس کی عقل پنجے کے ناخن سے بھی تیز چلتی ہے انسان سے بھڑ کر کبھی

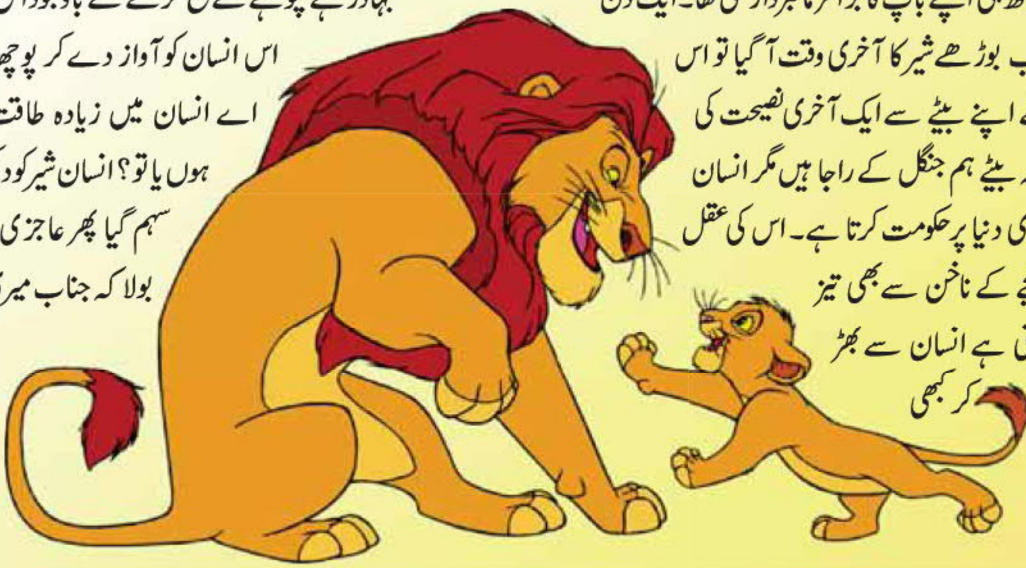

کسی شیر ہی کیا کسی کا بھی بھلا نہیں ہوا اس لیے اس سے ہمیشہ دور ہی رہنا اور یہ کہتے کہتے شیر نے دم توڑ دیا۔ بیٹے نے والد کی موت پر بہت آنسو بہائے مگر جنازہ کے بعد بھی اس کے دل میں اس کے والد کی آخری نصیحت گونج رہی تھی شیر اس الجھن میں تھا کہ آخر انسان کیسی مخلوق ہے جو مجھے بھی مات دے سکتی ہے۔

اس شیر کی ایک چوہے سے دوستی تھی۔ وہ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لیے اپنے دوست چوہے کے ساتھ گاؤں کی طرف چل پڑا دور سے ہی اسے ایک کھیت نظر آیا وہ اس کے قریب گیا تو وہاں ایک انسان کو کام کرتے پایا۔ شیر نے سوچا کہ یہی صحیح موقع ہے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ کون زیادہ بہادر ہے چوہے کے منع کرنے کے باوجود اس نے اس انسان کو آواز دے کر پوچھا کہ اے انسان میں زیادہ طاقت ور ہوں یا تو؟ انسان شیر کو دیکھ کر سہم گیا پھر عاجزی سے بولا کہ جناب میری کیا اوقات آپ ہی سب سے زیادہ طاقت ور ہیں۔ شیر یہ سن کر خوش ہو گیا مگر پھر غرا کے بولا کہ میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ میں تجھ سے زیادہ طاقت ور ہوں تجھے مجھ سے کشتی لڑنی ہوگی اس شخص نے کئی مرتبہ انکار کیا مگر شیر اپنی بات پر اڑا رہا۔ آخر کار اس انسان کو کشتی کے لیے راضی ہونا ہی پڑا۔ تب شیر نے اس سے پوچھا کہ میرے پاس پنجے ہیں نوکیلے دانت ہیں تیرے پاس ایسا کیا ہے جسے تو کشتی میں استعمال کرے گا۔ انسان کچھ دیر سوچ کر بولا کہ میرے پاس عقل ہے مگر افسوس کہ آج میں اسے گھر پر ہی بھول آیا ہوں شیر نے کہا کہ جا تو

اسے لے کر آ۔ میں پھر تجھ سے کشتی لڑوں گا انسان نے اپنا شاطر دماغ لڑایا اور کہا کہ میں کیسے یقین کرلوں کہ تو میرا انتظار کرے گا کیا پتہ میں عقل لینے جاؤں اور تو کہیں بھاگ جائے میرا تو وقت بے کار جائے گا۔ شیر نے اسے یقین دلانے کے لیے کئی قسمیں کھائیں مگر اس شخص پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر کار اس آدمی نے کہا کہ دیکھو یہ جو بیل جہاں بندھا ہوا ہے میں تمھیں وہاں باندھ دیتا ہوں اور جب میں عقل لے کر آؤں گا تب تمھیں کھول دونگا پھر کشتی لڑیں گے۔ شیر کو یہ ترکیب پسند آگئی اور اس نے ٹھیک ویسا ہی کیا جیسا اس شخص نے کہا تھا۔ شیر کو باندھنے کے بعد آدمی نے بیلوں کو مارنے والے سانٹے سے شیر کی کھال ادھیڑ دی۔ شام کو تھک کر وہ آدمی اپنے گھر کو چلا گیا۔ بے چارہ شیر زخمی حالت میں وہیں بندھا رہ گیا۔ تقریبا آدھی رات کو شیر کا دوست چوہا آیا اور کہنے لگا کہ میں نے کہا تھا نا کہ انسان خطرناک ہے اب بھگتو۔ پھر چوہے نے رسی کھول دی شیر اپنے غار میں پہنچا اور سکون کا سانس لیا۔ مگر وہ بدلا لینا چاہتا تھا۔ اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ انسان اس سے زیادہ طاقت ور ہے ٹھیک ہونے کے بعد ایک دن شیر پھر گاؤں کی طرف چلا اس دن بھی وہ آدمی کھیت میں کام کر رہا تھا اس شخص نے شیر کو دیکھ کر پہچان لیا اور وہ سارا واقعہ جو اس دن اسے پیش آیا تھا یاد آ گیا اور وہ وہاں سے سرپٹ بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے اپنے گھر پہنچا، دروازہ بند کر کے اپنی بیوی فاطمہ سے کہا کہ ایک برتن میں پانی گرم کرو، جب پانی گرم ہو گیا تو اس نے اپنی بیوی سے کہا یہ پانی لے کر چھت کی منڈیر پر ٹھیک دروازے کے اوپر کھڑی ہو جاؤ اور جب میں کہوں فورا یہ پانی نیچے ڈال دینا۔ اس کی بیوی نے ایسا ہی کیا، اتنے میں شیر اس کے گھر پہنچ گیا اور اپنے سر سے دروازہ کو توڑنے لگا۔ جب دروازہ ٹوٹنے والا تھا تو وہ آدمی چلا کر بولا ''فاطمہ ڈال'' اور اس کی بیوی نے گرم کھولتا ہوا پانی، شیر پر ڈال دیا، شیر تلملا اٹھا اس کی کھال جل گئی اور وہ سرپٹ دوڑا اور اپنے غار میں جا کر چھپ گیا۔ اس طرح دو مرتبہ شیر کی کھال اتر گئی۔ اسے اب تھوڑا یقین آ رہا تھا کہ انسان بہت طاقت ور ہے۔ مگر اس سے اکیلے ملنے میں ڈر رہا تھا۔ لیکن اب بھی انتقام لینے کی خواہش باقی تھی اس لیے اس نے اپنے دوستوں کو جمع کیا ان کے سامنے اپنی بات رکھی اور مدد کی درخواست کی۔ ایک دن جب وہ انسان لکڑیاں کاٹنے جنگل گیا تو اس شیر نے اپنے ان دوستوں کی مدد سے اس کو گھیر لیا۔ وہ آدمی یہ دیکھ کر کہ آج شیر اکیلا نہیں ہے سر پر پیر رکھ کر بھاگا، بھاگتے بھاگتے اس کو ایک کھجور کا پیڑ نظر آیا وہ اس کھجور کے پیڑ پر چڑھ گیا۔ شیروں نے یہ دیکھ کر ہار ماننی چاہی، مگر اس شیر نے کہا ہم سب اسے چھوڑیں گے نہیں۔ پھر وہ سب ایک ایک کر کے ایک دوسرے کے اوپر چڑھتے گئے، اور دھیرے دھیرے اس آدمی کے پاس پہنچ گئے۔ جس شیر نے اس آدمی کی بدولت اتنے زخم کھائے تھے وہ سب سے نیچے تھا جب شیر اس آدمی تک پہنچ گئے تو اس آدمی نے زور سے کہا ''فاطمہ ڈال'' وہ شیر یہ سمجھ کر کہ اب اس کی بیوی پھر سے گرم پانی ڈالے گی سرپٹ دوڑا اور اس کے ساتھ ہی سارے شیر زمین پر آ گرے اور وہ سب بھی جنگل کی طرف بھاگ گئے۔ اس حادثے کے بعد شیر کو اس بات کا یقین آ گیا کہ انسان سب سے زیادہ طاقت ور ہے اور پھر کبھی بھی کسی بھی شیر نے گاؤں کا رخ نہیں کیا۔

■

Sumbul Afshan
B-48, Mujeeb Bagh, Jamia Millia Islamia,
Jamia Nagar,Okhla, New Delhi - 110025

چھوٹی مکری

خوشنودہ نیلوفر

بہت دن پہلے کی بات ہے۔سرجوندی کے کنارے ایک گاؤں تھا۔گاؤں کے لوگ بہت سیدھے سادے تھے۔اس گاؤں میں ایک کسان اور اس کی بیوی رہتے تھے۔کسان نے کہیں سے سن رکھا تھا کہ عورتیں بہت مکار ہوتی ہیں۔

ایک دن اس نے اپنی بیوی سے پوچھا:

''ارے بھاگوان! میں نے سنا ہے کہ عورتوں کو چھتیس مکر آتے ہیں۔کیا تو بھی کچھ جانتی ہے؟''

نہیں جی۔مجھے چھتیس مکر نہیں آتے۔ہاں !ایک آدھ چھوٹی مکری آتی ہو تو نہیں کہہ سکتی۔کسان کی بیوی مسکرا کر بولی کسی دن مجھے بھی دکھا کہ یہ کیسی ہوتی ہے۔کسان نے ازراہِ مذاق کہا۔

کسان کی بیوی مسکرا کر رہ گئی۔کسان نے دن چڑھنے سے پہلے ہل بیل اٹھایا اور کھیت کی طرف چل دیا۔

رات کو جب کسان کھا پی چکا اور سونے جانے لگا تو کسان کی بیوی نے پوچھا

''کل کس کھیت میں ہل جوتنا ہے؟''

اوسر والے کھیت میں۔کسان نے جواب دیا۔

صبح کسان کی بیوی جلدی اٹھ گئی۔تالاب کے ٹھنڈے پانی میں گھس کر ایک پنہا (ایک طرح کی مچھلی) پکڑا اور جلدی جلدی اوسر والے کھیت پہنچ کر مٹی کے نیچے دبا دیا۔

کسان نے صبح اٹھ کر کچھ کھایا پیا اور معمول کے مطابق ہل بیل لے کر کھیت کی طرف چل پڑا۔انگوچھا اتار کر مینڈ پر رکھا۔بیلوں کو ہل سے جوڑا۔جوں ہی پھال زمین میں لگائی ایک زندہ پنہا (مچھلی) مٹی کے نیچے سے باہر آ گیا۔وہ ادھر ادھر بھاگنے لگا۔کسان نے جلدی سے بیل کو روکا۔ہل کا پھال ایک کنارے کیا۔ایک دو کوشش میں پنہا اس کے ہاتھ آ گیا۔وہ گھر کی طرف بھاگا۔گھر پہنچتے پہنچتے اس کی سانسیں پھول گئیں۔

''ارے بھاگوان دیکھ! صبح صبح اتنی بڑی مچھلی اپنے اوسر والے کھیت میں ملی ہے۔وہ بتاتے نہیں تھک رہا تھا کہ کیسے اس نے پھال لگایا اور یہ چھٹک کر باہر آ گئی۔تو اس کو پکڑ۔دیکھ کیسے پھسلی جا رہی ہے۔میں دوپہر میں کھیت سے واپس آ کر کھاؤں گا۔''

کسان کی بیوی خوشی خوشی مچھلی پکانے میں لگ گئی۔

کسان خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔اس نے پورا کھیت کتنی جلدی نبٹا دیا اسے پتہ ہی نہیں چلا۔وہ بار بار سورج کی طرف دیکھتا۔آج سورج اتنا دھیرے کیوں چل رہا ہے ؟ابھی تک دوپہر ہونے نہیں آئی (وہ دل میں بڑبڑایا)۔پھر گنگنانے لگا۔اس کے دل میں بار بار خیال آ رہا تھا کہ آج گھر پر مچھلی بن رہی ہے۔مچھلی کی لذت یاد کر اس کے منہ میں پانی آ جا رہا تھا۔

ادھر کسان کی بیوی نے مچھلی کو کاٹا، بھونا، تیل میں فرائی کیا۔ چمکتا سالن بنا کر اسے گھر کے کونے والی کوٹھری میں چھپا کر رکھ دیا۔ ساتھ ہی اس نے مکئی کی روٹی بنائی۔ بیگن کا بھرتا میتھی میں بھونا۔ ہری دھنیا کی چٹنی سِل پر پیس کر تیار کی، اوپر سے سرسوں کا تیل ڈال دیا تاکہ اور لذیذ ہو جائے اور شوہر کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

دوپہر چڑھنے پر کسان نے ہل بیل سمیٹا اور جلدی جلدی گھر کی طرف چل پڑا۔ پاس کے تالاب پر جا کر ایک لوٹا پانی ادھر ڈالا اور ایک لوٹا ادھر۔ صاف ستھرا ہو کر رسوئی میں پہنچا۔

بیوی نے تھالی صاف کی۔ ایک طرف مکئی کی روٹی رکھی۔ تھالی کے ایک کنارے بیگن کا بھرتا رکھا۔ تھالی کھانے سے سجا کر اس نے کسان کی طرف بڑھا دیا۔

یہ کیا ہے؟'' تھالی دیکھ کر کسان نے بیوی سے پوچھا''

کیا ہے! بھوجن ہے۔ دیکھ نہیں رہے ہیں کیا؟

وہی تو پوچھ رہا ہوں۔ میں نے جو مچھلی لائی تھی؟

مچھلی! کیسی مچھلی؟ بیوی نے حیرت سے پوچھا۔

وہی جو صبح مجھے اوسر والے کھیت میں ہل چلاتے ہوئے ملی تھی۔ کسان نے غصے میں نتھنے پھلا کر جواب دیا۔

اوسر والے کھیت میں!

کسان کی بھوک برداشت کے باہر ہو رہی تھی۔ وہ چلانے لگا۔ کھانے کی تھالی چھوڑ کر بیوی کو مارنے دوڑا۔

دونوں کی اس کہاسنی میں محلے کے لوگ اکٹھا ہو گئے۔ ابھی کسان بیوی پر ہاتھ اٹھانے ہی والا تھا کہ پڑوسی نے کسان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

کیوں ہاتھ اٹھا رہے ہو عورت ذات پر؟

دونوں اپنی اپنی صفائی میں ایک ساتھ بولنے لگے۔ پڑوسی کسی کی بات سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ ایک اپائے سوچی۔

پہلے ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا اور پھر بولے۔

''اب بتاؤ جھگڑا کیا ہے؟''

کسان بولا صبح جب میں اوسر والے کھیت میں ہل چلانے گیا تو پھال لگاتے ہی زمین میں ایک پنہا (مچھلی) ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ میں نے فوراً ہل وہیں روکا۔ بھاگ کر گھر آیا۔ اس کو میں نے مچھلی دی اور بنانے کو کہا اور جب میں کھیت جوت کر گھر لوٹا تو اس نے یہ کھانا مجھے دیا ہے بنا کر (کھانے کی تھالی کی طرف اشارہ کیا)۔

کسان کی بیوی نے کہا آپ لوگ بھی تو کسان ہیں۔ آپ لوگوں نے بھی کبھی اوسر میں مچھلی پکڑی ہے؟

سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے یہ۔ کہیں اوسر میں بھی مچھلی ہوتی ہے۔ اوسر زمین میں تو پانی نام کو بھی نہیں ہوتا، پھر مچھلی کہاں سے آئے گی وہاں؟۔ (پڑوسیوں نے کسان کو ڈانٹا)

میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نے صبح ہی اس کو لا کر دیا ہے

وہاں سے مچھلی (کسان نے عاجزی سے بتایا)

تو نے ضرور کوئی سپنا دیکھا ہوگا۔ اوسر میں مچھلی ہو ہی نہیں سکتی۔ پڑوسی کسان کو سمجھانے بجھانے لگے۔ سمجھا بجھا کر پڑوسی اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ کسان تھک کر چور ہو رہا تھا۔ اوپر سے بھوک بھی شباب پر تھی۔ بے چارے کو وہی مکئی کی روٹی اور بیگن کا بھرتا کھانا پڑا۔

کھانا کھا کر اس نے حقہ جلایا اور چارپائی پر ٹیک لگا کر پینے لگا۔ صبح کی وہ تازہ اچھلتی ہوئی مچھلی اس کے دماغ سے ہی نہیں رہی تھی۔

حقے کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ اس کا ذہن صبح کے ایک ایک لمحے کو دوہراتا جا رہا تھا۔ کیسے ہل کا پھال زمین میں لگاتے ہی مچھلی اچھل کر باہر آ گئی تھی اور وہ دوپہر ہونے کا انتظار کر رہا تھا اور ابھی کیا کچھ ہوا تھا..... وہ سب کچھ بھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اتنے میں اس کی بیوی باہر نکلی۔ اس کے ہاتھ میں مچھلی کا ایک سرخ سا ٹکڑا تھا۔ اس نے کسان سے کہا ''یہ دیکھو!''

اتنا کہہ کر اس نے جلدی سے مچھلی کا وہ ٹکڑا اپنے منہ میں رکھ لیا۔

کسان بڑی مشکل سے اپنے ذہن کو صبح کی یادوں سے آزاد کر رہا تھا کہ اچانک مچھلی کا سرخ ٹکڑا بیوی کے ہاتھ میں دیکھ کر اس کے ذہن میں مچھلی کی یاد دوبارہ تازہ ہو گئی۔ غصے میں اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بیوی کو پکڑ کر مارنے لگا۔ بیوی چیخنے چلانے لگی۔ آس پڑوس کے لوگ پھر اکٹھا ہو گئے۔ سب نے کسان کے چنگل سے بیوی کو آزاد کرایا۔ کسان زور زور سے بول رہا تھا۔

''اس نے ابھی میرے سامنے مچھلی کھائی ہے۔ آپ لوگ میرا یقین کریں۔''

بیوی اپنی دہائی دے رہی تھی...

''اس کل موہے نے مجھ پر بلا وجہ ہی ہاتھ اٹھایا ہے۔ آپ لوگ بھی تو مرد ہیں۔ سب ہل چلاتے ہیں اپنے اپنے کھیتوں میں۔ کبھی کسی کو اوسر میں مچھلی ملی ہے؟ یا کہ صرف یہی ایک کسان ہے۔''

سب پھر کسان کو لعنت ملامت کرنے لگے۔ ارے یار! تو اپنی بیوی پر بلا وجہ ہی ہاتھ اٹھا رہا ہے۔ وہ بے چاری نردوش ہے۔ تیرا دماغ ضرور چل گیا ہے۔ تو کچھ دنوں کے لیے دھوپ میں ہل چلانے مت جا۔ جب طبیعت ٹھیک ہو جائے تب جانا۔

میں ٹھیک ہوں۔ مجھے دھوپ نہیں لگی ہے۔ اس نے ابھی میرے سامنے مچھلی کھائی ہے۔

(کسان نے اپنی بات منوانے کی کوشش کی)

پڑوسیوں نے کسان کو سمجھایا...

''ارے یار! تو خود سوچ۔ ہم سبھی کسان ہیں۔ اتنی عمر ہو گئی آج تک اوسر میں کبھی مچھلی نہیں پائی۔ یہاں تک کہ برسات کے دنوں میں بھی وہاں مچھلی نہیں آ سکتی۔ سب نے حامی بھری۔

''ارے وہاں اتنی اونچی جگہ سسری پانی تو ٹھہرتا ہی نہیں تو

مچھلی رہے گی کیسے؟ یہ پتہ نہیں کیا آج صبح سے بورایا ہوا ہے؟ بیوی کو پیٹے دے رہا ہے۔ سب نے کسان کو قائل کیا۔

کسان نے پھر اپنا حقہ اٹھایا اور باہر آ کر بیٹھ گیا۔ پڑوسی اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

اس لڑائی اور بیچ بچاؤ میں شام ہو گئی۔ کسان بری طرح تھکا ماندہ باہر چارپائی پر سو رہا۔ بیوی نے جب دیکھا کہ وہ گہری نیند سو گیا تو اٹھی۔ مچھلی کو چولہے پر گرم کیا۔

کھانا پروس دیا ہے۔ اس نے محبت سے کسان کو بیدار کرتے ہوئے کہا۔

کسان نیند سے جاگ چکا تھا۔ نیند آ جانے کی وجہ سے وہ صبح کی ہلچل تھوڑی دیر کے لئے بھول گیا تھا۔ بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا...

یہ کیا ہے؟

وہی مچھلی جو آپ صبح کھیت سے لے آئے تھے۔ کسان حیران ہو کر بیوی کی طرف دیکھنے لگا تو وہ مسکرائی...

دیکھی آپ نے میری 'چھوٹی مکری'!

ارے بھاگوان!

سمیٹ لے اپنی یہ مکری۔ سسری 'چھوٹی مکری' اتنی خطرناک ہے تو 'بڑی مکری' کیسی ہوتی ہوگی؟ اس نے تعجب سے بیوی کی طرف دیکھا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

■

Dr. Khushnooda Neelofar
Asst. Regional Director
IGNOU Regional Center 310
3 Marris Road, Aligarh - 202001 (UP)

حسن رضا

آ گیا بچو! موسمِ گرما

ہوگیا رخصت موسمِ سرما
ختم ہوئی وہ ژالہ باری
وقت نے لی ایسی انگڑائی
سردی کے آثار جو بھاگے
بھانے لگے ٹھنڈے مشروب
گیلی مٹی بن گئی دھول
ہرسُو ہے اک ہُو کا عالم
دن میں پھیلی ہے ویرانی
تپتا سورج، دھوپ کڑی ہے
چھاؤں جب اپنے گھر آئے گی
تم سے ہے یہ حسن کا کہنا
آ گیا بچو! موسم گرما
کرلو گرمی کی تیاری
چلنے لگی پھر سے پروائی
خوابِ گراں سے پتے جاگے
مازا، تھمس اَپ ہیں مرغوب
گرم شعاعیں بن گئیں شؤل
خوب ہے یہ گرمی کا موسم
دھوپ کی ہے یہ کارستانی
کیسی قیامت کی یہ گھڑی ہے
دھوپ سے راحت مل جائے گی
پیارے بچو! لؤ سے بچنا

■

Dr. Hasan Raza
Anjuman Taraqqi Urdu Muzaffar Pur Zila
Maripur, Muzaffarpur - 842001 (Bihar)

■ حیدر بخش حیدری

یوسف کے کارناموں سے آپ سب کافی لطف اندوز ہوئے اور اب ہم حاتم طائی کا مشہور زمانہ قصہ پیش کررہے ہیں جسے سید حیدر بخش حیدری نے فورٹ ولیم کالج کے لیے اردو کا روپ دیا تھا۔ آرائش محفل کے عنوان سے لکھی گئی یہ داستان اردو ادب کی مقبول داستانوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اِس داستان پر کئی سیریل اور فلمیں بھی بن چکی ہیں۔ اِس داستان کو نورالحسن نقوی نے مختصر کرکے آسان زبان میں ڈھالا ہے۔ قومی اردو کونسل سے اِس کی پہلی اشاعت 1976 میں ہوئی تھی۔

قدم قدم پر تحیر و تجسس، خیر و شر کے معرکے اور دل دہلا دینے والے واقعات سے بھرا ہوا یہ قصہ یقیناً آپ سب کو پسند آئے گا۔ اِس داستان کا ہیرو حاتم ہے جو ہمیشہ دوسروں کی مدد کرنے کو اپنا فرض سمجھتا ہے اور دوسروں کے کام آنے کے راستے میں اُسے ڈھیروں مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن حاتم کے قدم نہیں لڑکھڑاتے اور اُس کی ہر مشکل آسان ہوتی جاتی ہے۔ یہ قصہ ہمیں سبق دیتا ہے کہ سچ کو ہمیشہ فتح حاصل ہوتی ہے۔ لیجیے، 'قصہ حاتم طائی' حاضر ہے۔ یہ سلسلہ آپ کو کیسا لگا؟ ہمیں اپنی رائے سے آگاہ کرنا نہ بھولیں۔ (ادارہ)

قصہ کا آغاز

بڑی پرانی بات ہے کہ یمن میں طے نام کا ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کی شادی اپنے چچا کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ اللہ کے کرم سے ان کے گھر ایک چاند سا بیٹا پیدا ہوا۔ اس کی خوب صورتی کے چرچے دور دور ہوئے۔ بادشاہ نے اس کی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لیے بہت سے نجومیوں کو بلوایا اور کہا کہ اپنا اپنا حساب دیکھ کر بتاؤ کہ اس کے نصیب میں کیا لکھا ہے۔ سب نے سوچ بچار کر کے بتایا کہ ''شہزادہ بڑا قسمت والا ہے۔ اس کی حکومت دور تک پھیلے گی، جب تک جیے گا دوسروں کی بھلائی کے کام کرے گا۔ اس لیے رہتی دنیا تک اس کا نام روشن رہے گا۔'' بادشاہ یہ سن کر باغ باغ ہوگیا۔ دَھن دولت سے سب کی گود بھر دی۔ بیٹے کا نام حاتم رکھا۔ سارے ملک کے غریب غربا کو مالا مال کر دیا۔ ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ آج کے دن سارے ملک میں جتنے بچے پیدا ہوں وہ محل میں پہنچا دیے جائیں۔ ان سب کی پرورش بادشاہ کے سائے میں ہوگی۔ اس دن پورے ملک میں چھ ہزار لڑکے پیدا ہوئے تھے۔ وہ سب محل میں پہنچا دیے گئے۔ ہر ایک کے لیے ایک دائی کھلائی مقرر کر دی گئی۔ حاتم کے لیے چار دائیاں نوکر رکھی گئیں۔

اب ایک عجیب بات ہوئی۔ دائیوں کھلائیوں نے بڑی کوشش کی مگر حاتم نے کسی طرح دودھ نہ پیا۔ سب پریشان ہوگئے۔ بادشاہ نے گھبرا کر نجومیوں، پنڈتوں، سیانوں کو پھر بلایا۔ سب نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا ''جہاں پناہ! حاتم کی سخاوت کے ڈنکے دنیا میں بجیں گے۔ جب تک جیے گا پہلے اوروں کو کھلائے گا تب خود لقمہ توڑے گا۔ ابھی سے یہ حال ہے کہ جب تک سب بچے دودھ نہ پی لیں یہ دودھ نہ پیے گا۔'' یہی ہوا جب تمام بچوں نے دودھ پی لیا تو اس نے بھی پیا۔ بڑا ہو گیا تب بھی یہی رہا کہ دوسروں کی بھلائی کے لیے کوشش کرتا رہا۔

شکار کا شوق بچپن سے تھا مگر جس جانور کو پکڑتا جیتا چھوڑ دیتا۔ ایک دن شکار کو گیا۔ ایک شیر غراتا ہوا سامنے آیا۔ حاتم عجب اُلجھن میں پڑ گیا۔ مارتا ہے تو مفت میں شیر کی جان جاتی ہے۔ نہیں مارتا تو اپنی جان جوکھوں میں پڑتی ہے۔ آخری یہی طے کیا کہ اس کی جان مت لو بلکہ خود اس کے منہ کا نوالہ بن جاؤ۔ یہ سوچ کر اس کے پاس گیا اور بولا کہ ''لے میرا اور میرے گھوڑے کا گوشت حاضر ہے۔ اپنا پیٹ بھر اور جدھر جی چاہے چلا جا۔'' یہ سننا تھا کہ شیر حاتم کے قدموں پر لوٹنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد اسی طرف چلا گیا جدھر سے آیا تھا۔

انھیں دنوں کی بات ہے کہ خراسان میں ا یک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اسی ملک میں ایک سوداگر رہتا تھا۔ اس کا نام برزخ تھا۔ اس کے پاس بے شمار دولت تھی۔ اس کے ایک بیٹی تھی جس کا نام حسن بانو تھا۔ بچی ابھی صرف بارہ برس کی تھی کہ سوداگر کی موت کا وقت آ پہنچا۔ اس نے اپنی بیٹی بادشاہ کو سونپی اور اس دنیا سے رخصت ہوا۔ حسن بانو کی پرورش ہوتی رہی۔

جب وہ بڑی ہوگئی تو بادشاہ نے اس کی ساری دولت اس کے حوالے کر دی۔ حسن بانو دل کی بڑی نیک تھی۔ اس نے سوچا میں اتنی دولت لے کر کیا کروں گی۔ کیوں نہ اسے اللہ کے راستے میں لٹا دوں اور اپنی زندگی اس کی یاد میں بسر کروں۔ اس نے اپنی دائی سے صلاح مشورہ کیا۔ اس بوڑھی عورت نے دنیا

دیکھی تھی۔ بولی ''ابھی تمھاری عمر ہی کیا ہے۔ دنیا میں آ کر ابھی تم نے کچھ بھی تو نہیں دیکھا۔ اللہ اللہ کرنے کو تو عمر پڑی ہے۔ ابھی دنیا سے منہ نہ موڑو۔ زندگی بتانے کے لیے کسی اچھے ساتھی کی تلاش کرو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دروازے پر سات سوال لکھ کر لگا دو۔ جو ان سوالوں کے جواب لا دے سمجھو کہ وہ بہادر اور تمھارا جیون ساتھی بننے کے لائق ہے۔ اس سے شادی کر لو اور ہنسی خوشی زندگی کے دن بسر کرو۔''

دائی کی بات حسن بانو کے دل پر اثر کر گئی۔ سات سوال لکھوا کر اپنے دروازے پر لٹکا دیے اور انتظار کرنے لگی کہ کوئی جواں مردان سوالوں کے جواب ڈھونڈ کر لائے۔ یہ انتظار بھی تھا اور خدا کی عبادت بھی جاری تھی۔ خالی وقت پاتی تو کوٹھے پر جا بیٹھتی اور بازار کا تماشا دیکھتی رہتی۔ ایک دن دیکھا کہ ایک بزرگ صورت فقیر بازار سے گزر رہا ہے۔ بڑا نورانی چہرہ ہے۔ چالیس خادم آگے پیچھے ہیں جن کے ہاتھوں میں چاندی سونے کی اینٹیں ہیں۔ بار بار وہ اینٹیں زمین پر رکھتے جاتے ہیں اور فقیر ان پر پاؤں رکھ رکھ کر آگے بڑھتا جاتا ہے۔ خادم اسے زمین پر پاؤں نہیں رکھنے دیتے۔ حسن بانو بڑی حیران ہوئی۔ اپنی دائی کو بلا کر یہ تماشا دکھایا۔ اس نے کہا ''بیٹی! یہ بزرگ بادشاہ کا پیر ہے۔ اس کا کمال دور دور تک مشہور ہے۔'' حسن بانو کے دل میں اس سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ فقیر کے پاس اپنے آدمی کو بھیجا اور کہلایا کہ ''اپنے مبارک قدموں سے میرے گھر کی عزت بڑھائیں۔'' اس نے دعوت قبول کر لی اور اگلے دن اسی شان سے چاندی سونے کی اینٹوں پر قدم رکھتا ہوا اپنے چالیس نوکروں کے ساتھ حسن بانو کی حویلی میں داخل ہوا۔

اُدھر حسن بانو نے بھی دعوت کا ایسا شاندار انتظام کیا تھا کہ اچھے اچھے بادشاہوں سے نہ بن پڑے۔ قیمتی فرش جس میں سونے چاندی کے تار پُرے تھے، دروازے سے مسند تک بچھا تھا۔ فقیر کو پیش کرنے کے لیے ہیرے جواہرات تھالیوں میں سجے تھے۔ سونے چاندی کے برتنوں میں طرح طرح کے میوے، پھل، مٹھائیاں اور کھانے رکھے تھے، ہاتھ دھونے کے

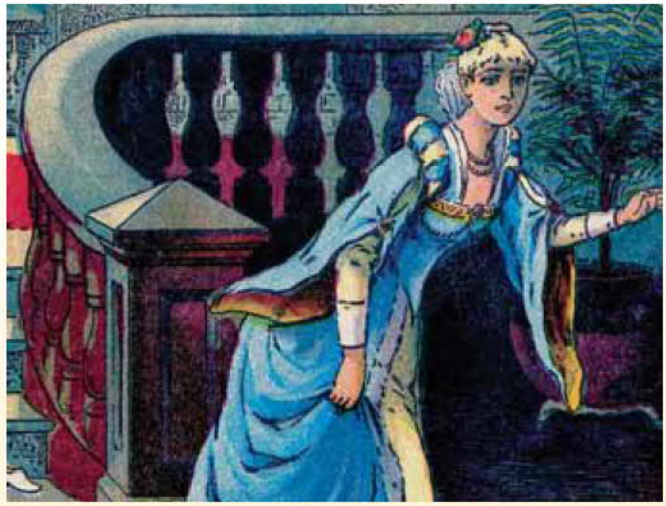

لیے قیمتی سلفچیاں اور لوٹے حاضر تھے۔ یہ قیمتی ساز و سامان دیکھا تو شاہ صاحب کے منہ میں پانی بھر آیا۔ دو چار لقمے کھا کر ہاتھ کھینچ لیا اور حسن بانو کو دعائیں دے کر رخصت ہو گئے۔ ہونٹوں پر دعائیں تھیں مگر دل میں کھوٹ تھی، نیت خراب ہوئی۔ ہمیشہ کے مکار اور دھوکے باز تھے۔ رات کو بھیس بدل کر انھیں چالیس چوروں کے ساتھ آئے اور حسن بانو کا قیمتی سامان لوٹ کر لے گئے۔

حسن بانو بڑی سمجھ دار تھی۔ اس نے ان حضرات کو پہچان تو لیا مگر چپ رہی۔ صبح کو فریاد لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا قصہ کہہ سنایا۔ وہ سن کر الٹا ناراض ہوا۔ بولا ''ایسے نیک بزرگ پر الزام رکھتے ہوئے تم کو شرم نہیں آتی۔'' غرض بادشاہ کا غصہ اتنا بڑھا کہ اس بے قصور لڑکی کی ساری جائیداد اور سارا مال ضبط کر لیا اور اسے شہر سے باہر نکال دیا۔ یہ بے سہارا لڑکی اپنی بوڑھی دائی کو ساتھ لے کر سنسان جنگل میں جا پڑی جہاں نہ کوئی مددگار تھا نہ ہمدرد۔

بہت دنوں دونوں جنگل میں مارے مارے پھرتے رہے۔ حسن بانو ایک دن تھکی ہاری ایک درخت کے نیچے بیٹھی تھی۔ آنکھ جھپک گئی۔ عجب خواب دیکھا۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک بزرگ سبز لباس پہنے سامنے کھڑے ہیں۔ انھوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا ''بیٹی! غم نہ کر، مایوس نہ ہو۔ اللہ کی مدد تیرے ساتھ ہے۔ جس درخت کے سائے میں تو سو رہی یہ اسی کے نیچے سات بادشاہتوں کا خزانہ گڑا ہے۔ اللہ نے اسے تیرے لیے ہی محفوظ رکھا ہے۔ خوشی خوشی اٹھ اور اس بے حساب دولت کو اپنے خرچ میں لا۔''

حسن بانو کی آنکھ کھل گئی۔ پورا خواب بوڑھی دائی کو سنایا۔ دونوں نے مل کر زمین کھودی تو اتنی دولت نکلی کہ اندازہ لگانا مشکل ہے۔ خدا کا شکر ادا کیا اور خزانے کو وہیں چھپا رہنے دیا۔ پھر اس جنگل میں ایک شاندار محل بنوایا۔ حسن بانو کے تباہ ہونے سے اس کے عزیز اور رشتے دار بھی اجڑ گئے تھے۔ سب دَر دَر کی ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ ان سب کو بلا کر بھی یہیں رکھ لیا۔ سب اپنی اپنی پریشانیوں کو بھول کر ہنسی خوشی رہنے لگے۔

کچھ دنوں بعد حسن بانو کو اور ہی سوجھی۔ ایک دن سوداگر کا بھیس بدلا بہت سے تحفے تحائف ساتھ لیے اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ عرض کی کہ ''جہاں پناہ! میں ایک سوداگر کا بیٹا ہوں۔ میں اور میرا باپ فلاں شہر سے مال لے کر حضور کے شہر کی طرف آرہے تھے۔ راستے میں والد کا انتقال ہو گیا۔ جنگل میں جس جگہ ان کا انتقال ہوا ہے، جی چاہتا ہے کہ وہاں ایک شہر بساؤں۔ حضور کے نام پر اس کا نام شاہ آباد رکھوں۔'' بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ فوراً شہر بسانے کی اجازت دے دی اور سوداگر کے بیٹے کا نام ماہ رُوشاہ رکھا۔

اِدھر اجازت ملی اُدھر شہر بننا شروع ہو گیا۔ حسن بانو ماہ روشاہ کے بھیس میں برابر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتی رہتی تھی۔ اس کے سامنے ایک دن پیر صاحب بادشاہ سے ملنے

آئے۔ بادشاہ اور درباری سب ادب سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ شاہ صاحب کو مسند پر جگہ دی گئی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں شروع ہوئیں تو بادشاہ نے ماہ روشاہ کی ملاقات شاہ صاحب سے کرادی۔ ظاہر میں وہ ان سے مل کر بہت خوش ہوا اور درخواست کی کہ کسی دن تشریف لاکر میرے گھر کی عزت بڑھایئے۔ انھوں نے دعوت قبول کرلی۔ دن بھی طے ہوگیا۔ ماہ روشاہ نے ایک دن کے لیے برزخ سوداگر کی وہ حویلی مانگی جس میں شاہ جی اپنے کرتب دکھا چکے تھے۔ بادشاہ اس سے اتنا خوش تھا کہ وہ حویلی ہمیشہ کے لیے بخش دی۔ ماہ روشاہ نے مرمت کراکے حویلی کو خوب سجایا اور دعوت کا انتظام پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر کیا۔ شاہ صاحب نے قیمتی سامان دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ جی میں کہنے لگے ذرا سی دیر ہے۔ پھر یہ سارا سامان اپنا ہے۔ جلدی سے تھوڑا سا کھانا کھا کر رخصت ہوگئے۔

حسن بانو نے ساری بات پہلے ہی سے سوچ رکھی تھی۔ نوکروں کو چوکنا کردیا تھا۔ شہر کے کوتوال کو خبر کرادی تھی کہ آج رات میرے گھر میں ڈاکہ پڑنے کا ڈر ہے۔ اس نے جگہ جگہ سپاہیوں کو مقرر کردیا۔ کچھ کو حویلی میں چھپادیا۔ آدھی رات ڈھلی تھی کہ شاہ صاحب اور ان کے ساتھیوں نے چھاپہ مارا اور لوٹ مار شروع کردی۔ قیمتی سامان گٹھریوں میں باندھ لیا اور چلنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اتنے میں سپاہیوں نے گھیرا ڈال لیا اور سب کو پکڑ کر رسیوں سے باندھ لیا۔

صبح کو شاہ جی اور ان کے ساتھی بادشاہ کے سامنے پیش کیے گئے۔ آخر ڈھول کا پول کھل کے رہا۔ سب کو لمبی لمبی سزائیں ہوئیں۔ بادشاہ اور سارے درباری افسوس کرنے لگے کہ برزخ کی بیٹی کو جھوٹا سمجھے اور بے گناہ کو شہر سے نکال دیا۔ حسن بانو ماہ روشاہ کے لباس میں وہاں موجود تھی۔ بادشاہ کے قدموں پر گر پڑی اور اپنا سارا حال سنایا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اپنے کیے پر بہت پچھتایا۔ حسن بانو نے کہا ''اللہ نے مجھے بڑی دولت دی ہے مگر وہ میرے کس کام کی۔ میں تو روکھی سوکھی روٹی کھا کر سادہ زندگی گزارنا چاہتی ہوں اور اللہ کی یاد میں مشغول رہنے کی خواہش رکھتی ہوں اور یہ دولت بھی آپ کو نذر کرنا چاہتی ہوں۔ بادشاہ نے کہا ''جو تمھاری مرضی'' مگر شاہی آدمی جیسے ہی خزانے کے پاس پہنچے، اشرفیاں اور سونا چاندی سانپ بچھو بن کر ان کی طرف دوڑے۔ بادشاہ نے کہا ''بیٹی! اللہ کی مرضی یہ ہے کہ تم عیش آرام کی زندگی گزارو اور اس خزانے کو اپنے خرچ میں لاؤ۔''

بادشاہ تو یہ مشورہ دے کر حکومت کے کاموں میں مشغول ہوگئے۔ حسن بانو نے ساری دولت اللہ کی راہ میں لٹانی شروع کردی۔ جو مسافر اُدھر سے گزرتا اس کی خاطر اور مہمانداری ہوتی۔ جب وہ جانے لگتا تو اسے دولت سے لاد دیا جاتا۔ حسن بانو کی سخاوت کا چرچا دور دور ہوا۔ بڑی بڑی دور سے لوگ

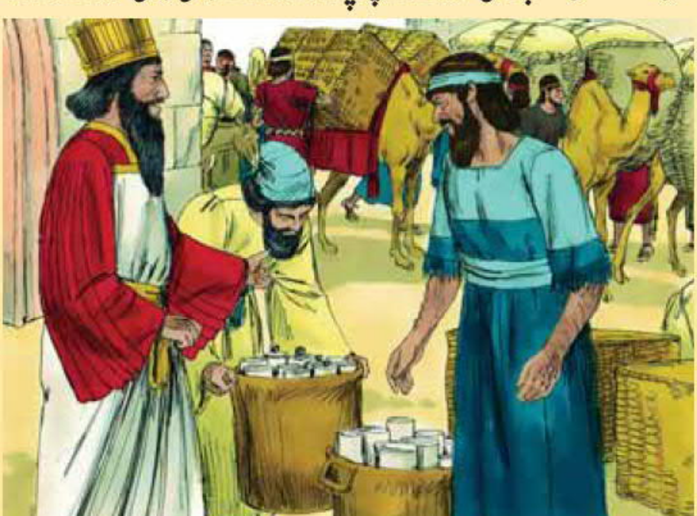

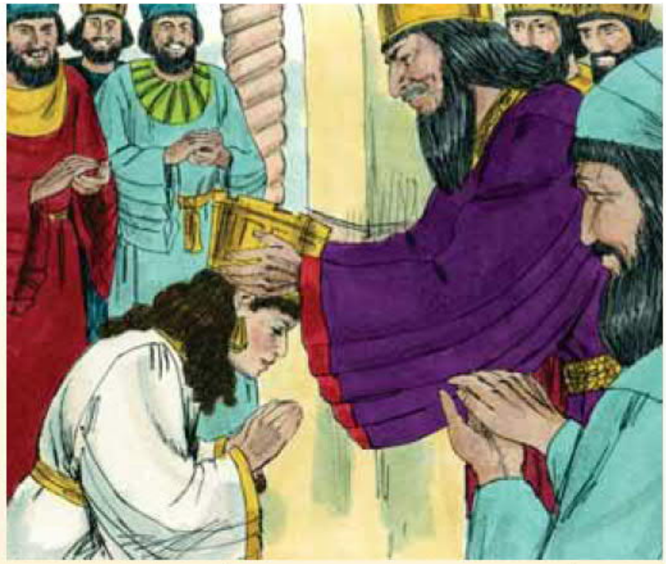

آتے۔ جو کچھ سنا تھا اس سے زیادہ ہی پائے۔ لوٹ کر جاتے تو اس کی سخاوت کے گن گاتے۔ ہوتے ہوتے اس کی شہرت شہر خوارزم تک پہنچی۔ یہاں کے بادشاہ کے ایک بیٹا تھا۔ اس کا نام منیر شامی تھا۔ اس نے حسن بانو کی خوب صورتی اور سخاوت کا حال سنا تو بن دیکھے اس سے محبت کرنے لگا۔ فقیر کا بھیس بنایا اور ماں باپ سے چھپ چھپا کر شاہ آباد کی طرف چل نکلا۔ آخر بڑی تکلیفیں اٹھا کر وہاں تک پہنچا اور سرائے میں ٹھہرا۔ کھانا پیش کیا گیا تو انکار کر دیا۔ حسن بانو نے خود بلا کر سبب پوچھا اور کہا ''جس چیز کی ضرورت ہو لے، کھا پی کسی بات کا غم نہ کر۔''

شہزادے نے جواب دیا ''اے شہزادی! میں خود شہزادہ ہوں اور ایک بڑے ملک کا وارث ہوں۔ مال و دولت کی مجھے ضرورت نہیں۔ تمہاری خاطر یہ بھیس بنایا ہے۔ تمہارے شہر میں یہ آرزو لے کر آیا ہوں کہ تم مجھے اپنا لو۔''

حسن بانو نے جواب دیا ''ہمیں تمہارے حال سے ہمدردی ہے مگر کیا کریں۔ ہم نے یہ طے کیا ہے کہ شادی اس سے کریں گے جو ہمارے سات سوالوں کا جواب لا دے۔ اگر تم ایسا کر دو گے تو میں تمہاری لونڈی بن جاؤں گی۔''

شہزادہ یہ سن کر بڑا مایوس ہوا۔ پھر سوچا اس سے کیا ملے گا۔ آخر حسن بانو سے سوال پوچھے۔ اس نے کہا ''کوئی شخص برابر یہ کہتا ہے کہ ایک بار دیکھا ہے۔ دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے۔ بتاؤ یہ کون ہے، کہاں ہے اور یہ بات کیوں کہتا ہے؟''

شہزادہ سخت پریشان ہوا۔ سمجھ میں نہ آیا کہ اس سوال کا جواب کہاں سے ڈھونڈ کر لائے۔ حسن بانو سے ایک سال کی مہلت لے کر روانہ ہوا۔ جہاں جاتا لوگ سمجھاتے کہ اس چکر میں نہ پڑ۔ کتنے شہزادے اس سوال کی کھوج میں نکلے اور مفت میں جان گنوائی۔ منیر شامی دُھن کا پکا تھا۔ اُس نے کسی کی نہ سنی۔ شہر شہر جنگل جنگل مارا مارا پھرتا رہا۔ ایک دن اتفاق سے ایک جنگل میں جا نکلا۔ وہاں حاتم سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ایک خوب صورت جوان کی بری حالت دیکھی تو سبب پوچھا۔ منیر شامی نے اپنی دکھ بھری کہانی کہہ سنائی۔ حاتم نے دلاسا دیا اور کہا ''اللہ کی مہربانی سے مایوس نہ ہو۔ اس نے چاہا تو تیرے دل کی مراد پوری ہوگی۔''

حاتم کی بات سے شہزادے کو تسلی ہوئی۔ حاتم اسے لے کر حسن بانو کے پاس پہنچا اور کہا ''یہ شہزادہ میرا دوست ہے۔ تمہاری محبت میں گرفتار ہے۔ میں اسے تمھارے سپرد کرتا اور خود تمھارے سوال کا جواب لینے جاتا ہوں۔ جب تک نہ لوٹوں اس کا خیال رکھنا'' یہ کہہ کر حاتم تو رخصت ہوا اور منیر شامی سرائے میں ٹھہر کر حاتم کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

■

ماخذ: حاتم طائی کا قصہ، **مرتب:** نورالحسن نقوی، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

کہکشاں

چمن چمن کے پھول

غریبوں میں جاکر رہا چاہتا ہوں
میں اب زندگی بے ریا چاہتا ہوں
(مجذوب)

بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے
(اقبال)

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے
(اقبال)

رکھو رفاہ قوم پہ اپنا مدار تم
اور ہو کبھی صلے کے نہ اُمیدوار تم
(محمد حسین آزاد)

نہ ہو خلوص تو اک عمر بندگی بے سود
بہت ہے ایک ہی سجدہ قبول ہوجائے
(آفتاب احمد جوہر)

عمل رب کے لیے جو بھی کرے گا
اُسی کو رب سے بدلہ بھی ملے گا
(ظفر جنک پوری)

انسان کو لازم ہے رہے دور ریا سے
یہ چیز جدا کرتی ہے بندے کو خدا سے
(جگر)

نہ تھی عیبوں کی جب ہمیں اپنے خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا
(ظفر)

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں
(درد)

آرام کیا کہ جس سے ہو تکلیف اور کو
پھینکو کبھی نہ پاؤں سے کانٹا نکال کر
(ناسخ)

آدمیت ہی تو بنیاد ہے ہر خوبی کی
ہو نہ یہ بھی تو دھرا کیا ہے پھر انسان کے پاس
(جوہر)

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا
کہ جو کوئی تم سے کرتا، تمھیں ناگوار ہوتا
(اسمٰعیل میرٹھی)

جب ملے جس سے ملے دل کھول کر دل سے ملے
اس سے بڑھ کر اور خوبی کوئی انسان میں نہیں
(بیخود دہلوی)

یومِ پدر (فادرس ڈے)

ریحانہ خاتون

جس طرح ہر رسم و رواج کی اپنی کہانی ہوتی ہے اسی طرح فادرس ڈے کی بھی ہے۔ یہ رواج سو سال سے زیادہ پرانا ہے، جس کی شروعات امریکہ میں ایک بیٹی نے اپنے پاپا کی یاد میں کی تھی۔ آج دنیا کے بیشتر ممالک میں یہ رائج ہے۔

کہتے ہیں دنیا میں جنم لینے کے بعد بچہ اگر اپنی آنکھیں ماں کی گود میں کھولتا ہے تو پہلا قدم وہ اپنے باپ کی انگلیوں کے سہارے اٹھاتا ہے۔ دنیا بھر میں فادرس ڈے الگ الگ دن منائے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں امریکہ کی طرح جون کے تیسرے اتوار کو منایا جاتا ہے جبکہ جرمنی میں عیسائی روایت کے مطابق۔

اس کی شروعات کی تاریخ بڑی دلچسپ ہے۔ سال 2016 میں فادرس ڈے کے 106 سال پورے ہوگئے۔ مانا جاتا ہے کہ فادرس ڈے سب سے پہلے 19 جون 1910 کو واشنگٹن میں منایا گیا۔ اس کی کہانی سونورا اسمارٹ ڈوڈ سے جڑی ہے۔

سونورا اسمارٹ ڈوڈ جب چھوٹی تھی تبھی اس کی ماں کا انتقال ہوگیا۔ والد ولیم جیکسن اسمارٹ نے سونورا کی زندگی میں ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی اور اسے ماں کا بھرپور پیار دیا۔ ایک دن یوں ہی سونورا کے دل میں خیال آیا کہ آخر سال کا ایک دن باپ کے نام کیوں نہیں ہوسکتا؟ تب اس نے اپنے والد ولیم جیکسن اسمارٹ کی یاد میں پادری سے اپیل کی کہ باپ کے لیے بھی ایک دن ہونا چاہیے۔ پہلے وہ اپنے والد کے جنم دن 5 جون کو منانا چاہتی تھی، لیکن پادری کے پاس تیاری کا وقت نہیں تھا۔ پھر اسے 10 جون کو منایا گیا۔ چونکہ اس سال اسی دن جون کا تیسرا اتوار تھا اسی لیے اسی دن سے فادرس ڈے منانے کا سلسلہ شروع ہوا۔

1924 میں امریکی صدر کالون کولج نے فادرس ڈے پر اپنی رضامندی دی۔ پھر 1966 میں صدر امریکہ لنڈن بی جانسن نے جون کے تیسرے اتوار کو فادرس ڈے منانے کا باضابطہ سرکاری اعلان کیا۔ 1972 میں امریکہ میں مستقل تعطیل کا اعلان ہوا۔

جرمنی میں اس کا سلسلہ چرچ اور عیسیٰ مسیح کے مصلوب کئے جانے سے جڑا ہوا ہے۔ یہ ہمیشہ ہولی تھرس ڈے (Holy Thursday) یعنی مقدس جمعرات کو ایسٹر (Easter) کے چالیس دن بعد منایا جاتا ہے۔ اس دن جرمنی میں چھٹی ہوتی ہے اور اسے یومِ مرداں (Male Day) کے طور پر منایا جاتا ہے۔

فی الحال پوری دنیا میں جون کے تیسرے اتوار کو ہی فادرس ڈے منایا جاتا ہے۔ اب ہندوستان میں بھی اسے منانے کا رواج بڑھتا جارہا ہے۔

■

Rehana Khatoon
59, Chuna Shah Colony
P.O.: Jamshedpur - 831012 (Jharkhand)

■ شیخ عبدالموحد عبدالرؤف

دھوپ کی تپش سے بچیے

گرمی کے موسم میں لاپروائی لو لگنے کا سبب بن سکتی ہے۔ اس دوران چہرہ سرخ ہونا سانس لینے میں تکلیف اور چکر آنے جیسی علامت ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ لؤ سے بچنے کے لیے ان اقدامات کو آزما سکتے ہیں۔

ناشتہ۔ گھر سے نکلنے سے پہلے ناشتہ کر کے جائیں۔ خالی پیٹ رہنے سے زیادہ کمزوری رہتی ہے۔

املی۔ املی کا پانی پینا لو میں منافع بخش ہوتا ہے۔ املی کو پانی میں بھگو کر اس میں تھوڑا اگڑ ملا لیں۔ اس کا پانی پئیں اور املی کے گودے کو ہاتھ اور پاؤں کے تلوؤں پر ملے۔ ایک گلاس لیموں پانی میں نمک اور چینی ملا کر روزانہ لیں۔

کیری۔ لؤ سے بچنے اور لو لگنے پر کیری کا پینا بہت کارگر طریقہ ہے۔ اس کے لیے کیری کو ابال کر اس میں سیاہ نمک اور زیرا، پودینہ اور چینی ملا کر پیس لیں۔ اب اس پانی کو دن میں 3 سے 4 بار پئیں۔

پیاز۔ گرمی میں روزانہ دوبار پیاز کھائیں۔ یہ جسم کو ٹھنڈا رکھ کر لو لگنے سے بچاتی ہے۔

تلسی۔ تلسی کے پتوں کا رس چینی میں ملا کر پینا چاہیے۔ اس سے لو نہیں لگتی اور لگی ہو تو اس میں آرام ملتا ہے۔

■

Shaikh Abdul Mowahhid Abdur Rauf
Mahapoli, Bheondi

■ سیدہ طوبیٰ تمکنت

اقوالِ زرّیں

- سب سے خوب صورت آپ کی زبان ہے۔ اپنی زبان سے چاہے تو دل جیت لے چاہے تو دل چیر دے۔
- کائنات کی سب سے مہنگی چیز 'احساس' ہے جو دنیا کے ہر انسان کے پاس نہیں ہوتی۔
- سب سے اچھا عمل زبان کی حفاظت ہے۔
- صبر انسان کی بنیاد ہے۔
- اللہ کا ڈر ہر قسم کے ڈر کو ختم کر دیتا ہے۔
- ایمان والی عورت کا اصلی زیور سونا چاندی نہیں بلکہ حیا اور پردہ ہے۔
- استاد کی سزا باپ کی محبت سے دس گنا بہتر ہے۔
- دو چہرے انسان کبھی نہیں بھولتا:
  - ایک مشکل میں ساتھ دینے والا
  - دوسرا مشکل میں ساتھ چھوڑ جانے والا
- نیکی کر کے اسے بھول جایا کرو جیسے کہ گناہ کرتے وقت اپنے رب کو بھول جاتے ہو۔
- سچائی حق کی زبان ہے۔

■

Sayyeda Tuba Tamkant Sayyed Rais Hashmi
Pathan Mohalla Pathri
Dist.: Parbhani (Maharashtra)

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

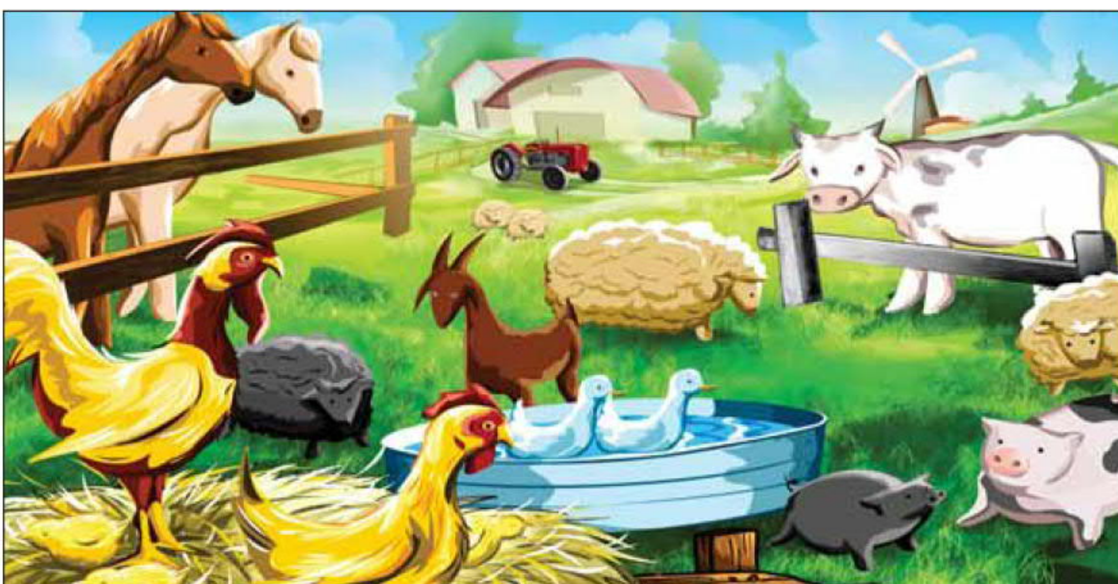

جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں۔

لکھنؤ کے کچھ مشہور اور اہم سیاحتی مقامات

بڑا امام باڑہ

چھوٹا امام باڑہ

چھتر منزل

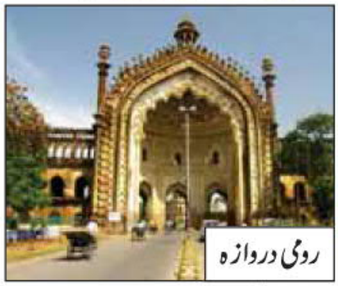
رومی دروازہ

آصفی مسجد لکھنؤ

حضرت گنج لکھنؤ

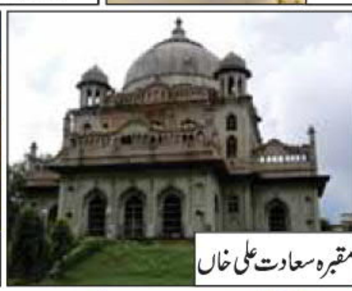
مقبرہ سعادت علی خاں

لکھنؤ ریذیڈنسی

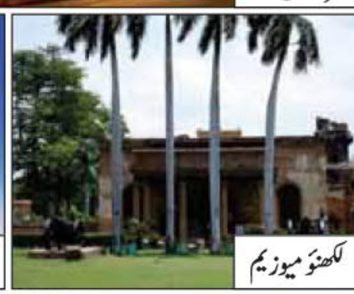
لکھنؤ میوزیم

حسین آباد کلاک ٹاور

بیگم حضرت محل پارک

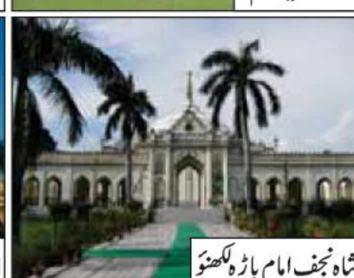
شاہ نجف امام باڑہ لکھنؤ

لا مارٹینیر کالج، لکھنؤ

امبیڈکر پارک

■ سعداللہ احسان

جھوٹ

''اس سوال کا جواب کون دے گا؟'' ماسٹر جی نے پوچھا۔

''میں'' حامد نے جوش میں کہا۔

''کیا اس کلاس میں حامد کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے؟'' ماسٹر جی نے گرجتے ہوئے کہا۔

''ساجد! تم جواب دو۔''

ساجد جو کہ اب تک سو رہا تھا اچانک یہ سن کر چونک گیا، جواب کیا دیتا کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگا:

''جناب! کل میری امی کی طبیعت بہت خراب تھی اس لیے میں سبق یاد نہ کر سکا۔'' بہت افسوس کی بات ہے کہ تمھاری امی کی طبیعت خراب تھی لیکن یہ سبق کل کا نہیں بلکہ پرسوں کا ہے۔ یہ سن کر ساجد کے پیروں تلے زمین کھسک گئی۔ وہ کوئی اور بہانہ سوچتا اس سے پہلے ماسٹر جی اس کے پاس آئے اور اپنے اسکیل سے اس کی دونوں ہتھیلیاں سرخ کر دیں۔ چونکہ یہ سزا ساجد کے لیے بہت عام تھی، اس لیے ماسٹر جی کے جانے کے بعد وہ معمول کے مطابق پھر سو گیا۔ ساجد کے ماں باپ بھی اس کے جھوٹ بولنے کی عادت سے بہت پریشان رہتے تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس دن واقعی اس کی امی کی طبیعت خراب ہوگئی جس کی وجہ سے وہ پھر اپنا سبق یاد نہ کر سکا۔ اگلے دن جب ماسٹر جی نے اس سے سبق سنانے کو کہا تو اس نے اپنی امی کی طبیعت کے بارے میں بتایا۔ ''یہ بہانہ تو تم نے کل ہی بنایا تھا'' ماسٹر جی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ساجد سہم گیا۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ ساجد نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''چپ ہو جاؤ'' ماسٹر جی کی گرجدار آواز نے پوری کلاس کے بچوں کو ڈرا دیا۔ ماسٹر جی نے اس کے ہاتھوں پر پھر اسکیل سے لال لال نشان بنا دیے۔ آج ساجد کو پہلی بار اس سزا کا اثر ہوا۔ اسے اپنے جھوٹ بولنے کی عادت پر بہت پچھتاوا ہوا۔ اس نے قصد کیا کہ آج کے بعد وہ کبھی جھوٹ نہیں بولے گا اور ہمیشہ اپنا سبق یاد کرے گا۔

■

Saadullah Ehsan
Madarsa Sabeel-us-Salam, Shaheen Bagh
New Dehli - 110025

نغمہ ممتاز، سنوار، سینئر سیکنڈری اسکول، رامپور

عروسہ انیس بنت محمد راغب، مہکر (ضلع: بلڈانہ)، مہاراشٹر

فاطمہ شریف کھاٹک، درجہ ہفتم، زیڈ پی اردو اسکول، سبھاش نگر، شیر پور

رضوانہ ساگر روزی بنت شیخ بلال ساگر،
نزد دار السلام مسجد، ہیرا پور، اچل پور سٹی، امراؤتی

ثریا رحمان، درجہ دہم، صدیق میموریل اسکول

اریبہ فاطمہ، درجہ ہفتم، ارشد میموریل اردو گرلز ہائی اسکول، آرا، بہار

الفین حجاب بنت محمد راغب مہکر، ضلع بلڈانہ، مہاراشٹر

باغوان ساجدہ محبوب، درجہ ہفتم، ڈاکٹر ذاکر حسین، لاتور

آسماں اختر کھاٹک، درجہ ہفتم، ضلع پریشد اسکول سجاش نگر، شیر پور

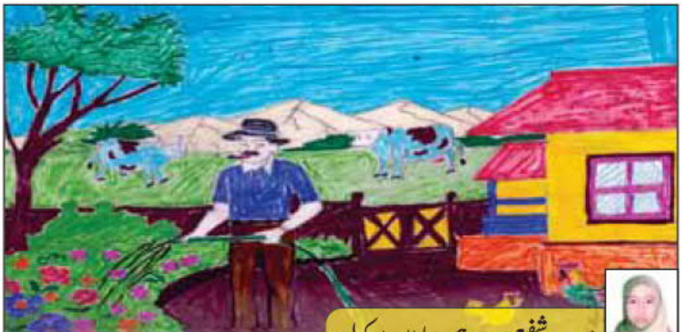

مسرت شفیع، درجہ دہم، سلطانیہ اسکول

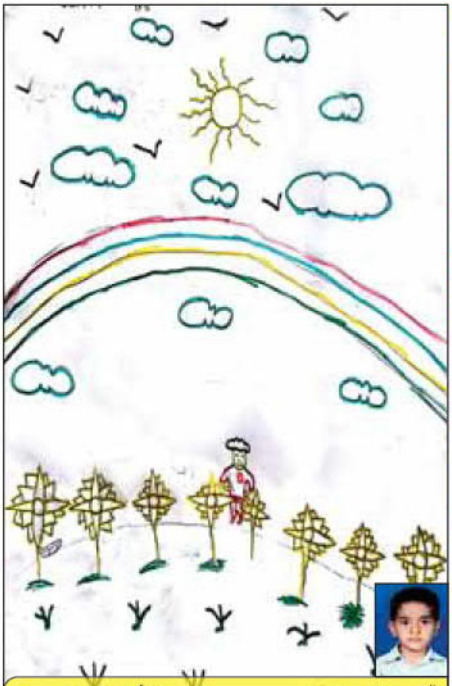

اعظمی عماد الرحمٰن، درجہ سوم بی، صلاح الدین ایوبی میموریل انگلش ہائی اسکول، بھیونڈی

ایم سفیان مجیب الرحمٰن، درجہ پنجم، ملت ہائی اسکول

Facebook اردو فیس بک

میرا نام صدیقہ سلیم پربھکر ہے۔ میں ضلع پریشد اردو اسکول یاچل، جماعت پنجم میں پڑھتی ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے۔

صدیقہ سلیم پربھکر، ضلع پریشد اردو اسکول یاچل، ضلع رتنا گیری

میرا نام رخسار سلیم کلکیر ہے۔ جماعت درجہ چہارم کی طالبہ ہوں۔ میں اور میرے اسکول کی سیکڑوں طالبات گذشتہ ڈیڑھ سال سے 'بچوں کی دنیا' پابندی سے پڑھ رہی ہیں۔ سچ پوچھیے تو اس رسالے نے ہمیں کتاب کا سچا دوست بنا دیا ہے۔ میں بے صبری سے 'بچوں کی دنیا' کا انتظار کرتی ہوں۔

رخسار سلیم کلکیر، ضلع پریشد اردو اسکول یاچل، ضلع رتنا گیری

میں صدف مقبول فراس جماعت چہارم کی طالبہ ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت اچھا لگتا ہے۔ میں اس کو پابندی کے ساتھ پڑھتی ہوں۔ اس رسالے میں بہت سی معلومات ہوتی ہیں۔

صدف مقبول فراس، ضلع پریشد اردو اسکول یاچل، ضلع رتنا گیری

میرا نام شاداب رمضان بوبڑے ہے میں ضلع پریشد اردو اسکول یاچل کے درجہ پنجم کا طالب علم ہوں میں 'بچوں کی دنیا' بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ اس کی کہانیاں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ اس کو پڑھنے سے میرے لیے اردو پڑھنا آسان ہوگیا ہے۔

شاداب رمضان بوبڑے، ضلع پریشد اردو اسکول یاچل، ضلع رتنا گیری

میرا نام محمد یٰسین سمیع ہے۔ میں تاج اردو ہائی اسکول جونا شہر آکولہ درجہ نویں کا طالب علم ہوں۔ 'بچوں کی دنیا' بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ مارچ کا شمارہ پسند آیا۔ مضمون 'گھوڑے کی لگام کا راز' بہت پسند آیا۔

محمد یٰسین سمیع محمد شاکر، تاج اردو ہائی اسکول جونا شہر آکولہ، مہاراشٹر

میں روحینہ محمد ناظم الدین درجہ چہارم میں پڑھتی ہوں۔ نانا کے گھر 'بچوں کی دنیا' دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ پورا رسالہ پڑھ ڈالا۔

روحینہ محمد ناظم الدین، اقرا اردو پرائمری اسکول اورنگ آباد

میرا نام قاضی رمشہ عقیل احمد ہے۔ میں جماعت ہفتم کی طالبہ ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بے حد پسند ہے۔ اس رسالے میں کہانیاں، نظمیں وغیرہ بہت پسند آتی ہیں۔

قاضی رمشہ عقیل احمد، ڈاکٹر ذاکر حسین اردو پرائمری اسکول، لاتور

میرا نام منیار حنا ہے۔ میں ہفتم جماعت کی طالبہ ہوں۔ کونسل کی جانب سے شائع ہونے والا رسالہ 'بچوں کی دنیا' مجھے بہت پسند

ہے۔ ہم سب بے صبری سے 'بچوں کی دنیا' کا انتظار کرتے ہیں۔

منیار حنا، ڈاکٹر ذاکر حسین اردو پرائمری اسکول، لاتور، مہاراشٹر

❑ میرا نام شیخ سحرین صبا محمد آصف ہے۔ میں رضا حسین پرائمری اسکول بھساول میں زیرِ تعلیم ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' سے بہت دلچسپی ہوگئی ہے۔ مجھے اس کی کہانیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔ دلچسپ لطیفے تو میں بار بار پڑھتی ہوں۔ میں بہت پابندی سے رسالہ خرید کر لاتی ہوں۔ میری وجہ سے میری کلاس کے بہت سارے بچے بھی خرید کر پڑھ رہے ہیں۔ رسالے کا سرورق اتنا خوبصورت رہتا ہے کہ دیکھ کر دل باغ باغ ہوجاتا ہے۔

شیخ سحرین صبا محمد آصف، رضا حسین اردو پرائمری اسکول، بھساول

❑ بہت دنوں سے 'بچوں کی دنیا' پڑھ رہا ہوں۔ رنگارنگ تصویروں سے مزین مضامین سے لطف اٹھا رہا ہوں۔ ہر شمارہ ایک سے بڑھ کر ایک ہوتا ہے۔

مرزا ارسلان بیگ ساجد بیگ، ساکلی

❑ میں مہوش فاطمہ محمد زاہد اردو گرلس ہائی اسکول ملکاپور جماعت ششم کی طالبہ ہوں۔ مجھے یہ رسالہ 'بچوں کی دنیا' بے انتہا پسند ہے۔ ہر ماہ مجھے بے چینی سے اس رسالے کا انتظار رہتا ہے۔ میری امی جان ایک ٹیچر ہیں۔ ان کو بھی یہ رسالہ بہت اچھا لگا۔

مہوش فاطمہ محمد زاہد، ہاشمی نگر، ملکاپور

❑ میرا نام مہوش تزئین ہے۔ میں چوتھی جماعت میں پڑھتی ہوں۔ میں بچوں کی دنیا کا دو مہینوں سے مطالعہ کر رہی ہوں۔ اس سے میری اردو میں سدھار آرہا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ دینی معلومات زیادہ شائع کیجیے اور کہانیاں بھی۔ میرے اسکول کے بچے بھی میگزین کو پسند کرتے ہیں۔

مہوش تزئین، ایس ٹی کالونی، ولگاؤں روڈ، امراؤتی

❑ میں عرشیہ شیخ ریاض ہوں۔ میں ضلع پریشد اردو گرلس پرائمری اسکول دیانے میں پڑھتی ہوں۔ اور جماعت سوم (الف) میں زیرِ تعلیم ہوں۔ مجھے آپ کے ادارے سے نکلنے والا رسالہ بچوں کی دنیا بے حد پسند ہے اور میں ہر مہینے اس رسالے کو دلچسپی سے پڑھتی ہوں۔

عرشیہ شیخ ریاض، ضلع پریشد اردو گرلس پرائمری اسکول دیانے، مالیگاؤں

❑ میرا نام عاصم ہے۔ میں جے ڈی پبلک اسکول گنگولی غازی پور میں درجہ چھ کا طالب علم ہوں۔ مجھے بچوں کی دنیا پڑھنے میں بہت مزہ آتا ہے اس کی تصویریں اور تحریریں بہت ہی اچھی لگتی ہیں۔

عاصم، جے ڈی پبلک اسکول، گنگولی غازی پور

❑ بچوں کی دنیا میرے مطالعے میں تقریباً دو سالوں سے ہے۔ میں اس کے تمام تر مشمولات کو بہت باریک بینی سے پڑھتا ہوں اور کرشن چندر کا ناول معلومات عامہ اور بچوں پر لکھی گئی نظمیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس ماہنامے کو ترقی عطا فرمائے، آمین!

مسعود اشرف، پرسا سیتا مڑھی بہار

❑ میں ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کی پرانی خریدار ہوں۔ ہر ماہ بہت ہی دلچسپ مضامین، کہانیاں اور نت نئے ایجادات، اس میں شامل رہتے ہیں۔ ہر ماہ اس کے ملنے کی منتظر رہتی ہوں۔ ہم بچوں کے لیے یہ ماہنامہ بہت مفید اور معلوماتی ہے۔

ہانیہ مریم، دوسری جماعت، وژڈم اسکول، پرنامبٹ، تمل ناڈو

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

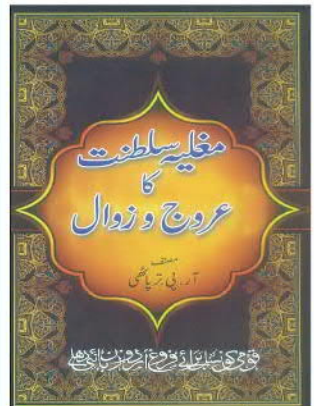

صفحات:543، قیمت:242 روپے

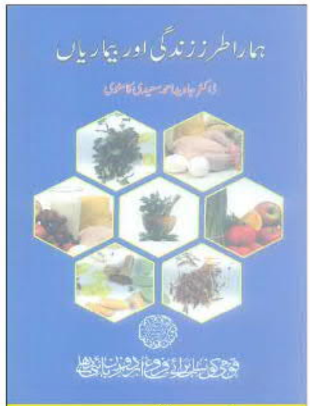

صفحات:42، قیمت:69 روپے

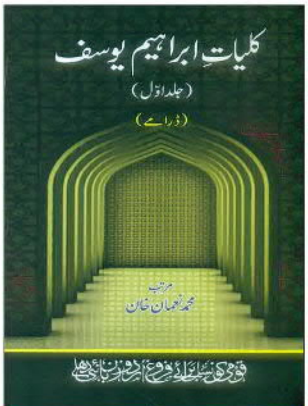

صفحات:2273، قیمت:613 روپے

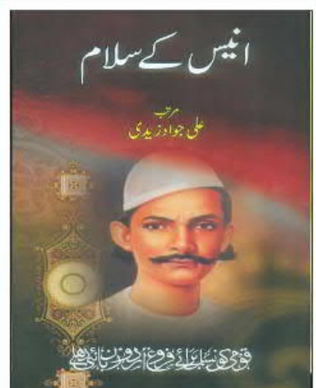

صفحات: 307، قیمت: 113 روپے

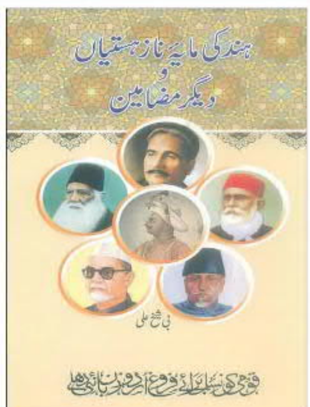

صفحات:176، قیمت: 35 روپے

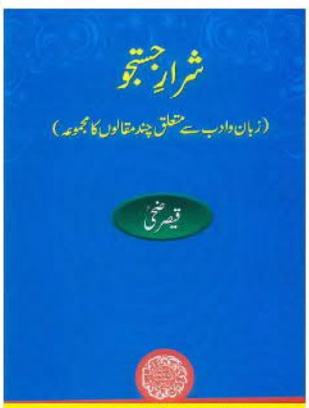

صفحات:125، قیمت:80 روپے

صفحات:433، قیمت: 193 روپے

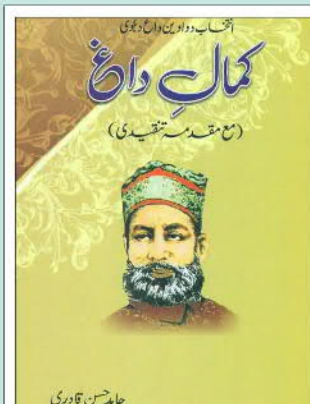

صفحات:230 قیمت: 177 روپے

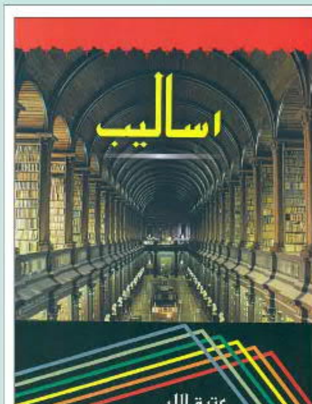

صفحات: 376، قیمت:166 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی - 110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com , sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, June 2016, Vol. 04, Issue: 6
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/05/16
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

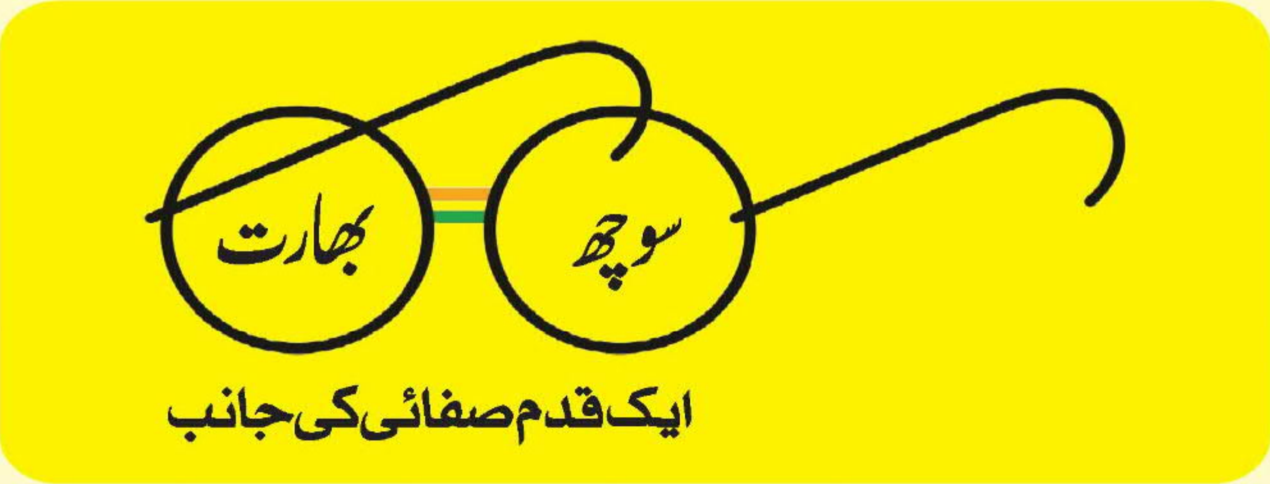

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

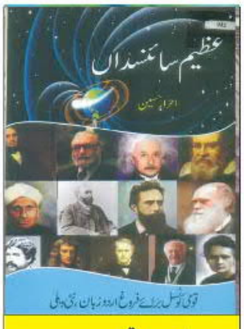

صفحات: 83، قیمت: 15 روپے

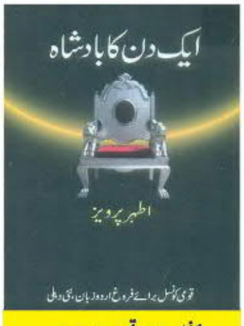

صفحات: 157، قیمت: 12 روپے

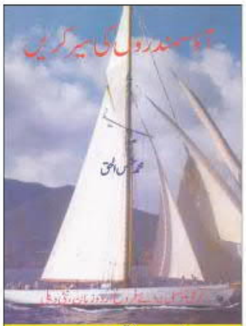
صفحات: 183، قیمت: 20 روپے

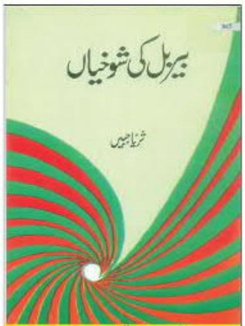

صفحات: 64، قیمت: 40 روپے

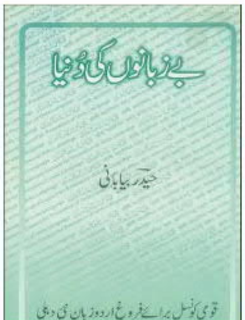

صفحات: 128، قیمت: 29 روپے

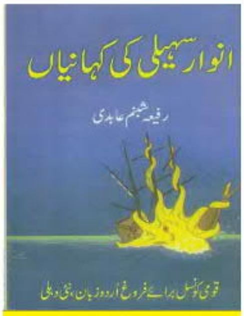

صفحات: 183، قیمت: 23 روپے

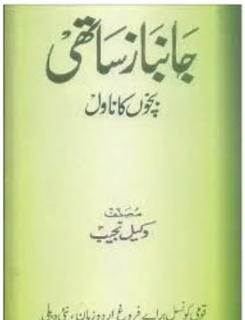

صفحات: 200، قیمت: 42 روپے

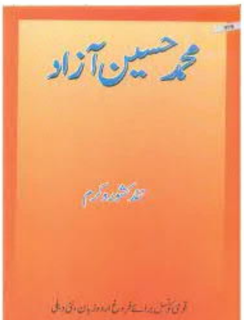

صفحات: 79، قیمت: 14 روپے

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.